ماہنامہ

التبلیغ

راولپنڈی

جنوری 2023ء - جمادی الاخریٰ 1444ھ (جلد 20 شمارہ 06)

ماہنامہ

التبلیغ

راولپنڈی

جلد 20 شمارہ 06

جنوری 2023ء - جمادی الاخریٰ 1444ھ

بشرفِ دعا

حضرت نواب محمد عشرت علی خان قیصر صاحب رحمہ اللہ

وحضرت مولانا ڈاکٹر تنویر احمد خان صاحب رحمہ اللہ

مدیر
مفتی محمد رضوان

ناظم
مولانا عبدالسلام

مجلسِ مشاورت

مفتی محمد یونس — مفتی محمد ناصر — مولانا طارق محمود

فی شمارہ.................. 50 روپے

سالانہ................. 500 روپے

پبلشرز

محمد رضوان

سرحد پرنٹنگ پریس، راولپنڈی

خط وکتابت کا پتہ

ماہنامہ التبلیغ پوسٹ بکس 959

راولپنڈی پوسٹ کوڈ 46000 پاکستان

قانونی مشیر

محمد شرجیل جاوید چوہدری

ایڈووکیٹ ہائی کورٹ

0323-5555686

مستقل رکنیت کے لئے اپنے مکمل ڈاک کے پتہ کے ساتھ سالانہ فیس صرف 400 روپے ارسال فرما کر گھر بیٹھے ہر ماہ ماہنامہ ''التبلیغ'' حاصل کیجئے

ڈاک کا پتہ تبدیل ہوجانے یا ماہنامہ موصول نہ ہونے کی صورت میں رکنیت نمبر کا حوالہ دے کر فوری اطلاع کریں

اس دائرہ میں سرخ نشان آپ کی رکنیت ختم ہونے کی علامت ہے، آئندہ شمارہ رکنیت فیس موصول ہونے پر ارسال کیا جاسکے گا

برائے رابطہ...... ادارہ غفران ٹرسٹ چاہ سلطان گلی نمبر 17

عقب پٹرول پمپ وچھڑا گودام راولپنڈی صوبہ پنجاب پاکستان

فون: 051-5507530-5507270 فیکس: 051-5702840

www.idaraghufran.org

Email: idaraghufran@yahoo.com

www.facebook.com/Idara Ghufran

www.idaraghufran.org

ترتیب وتحریر

صفحہ

آئینۂ احوال...........واقعات وروایات میں غلو ومحاذ آرائی...........مفتی محمد رضوان 3

درسِ قرآن (سورہ آلِ عمران: قسط34)......................بعض اہلِ کتاب کے مومن، اور
بعض کے کافر ہونے کا ذکر..// // 5

درسِ حدیث....برزخ وقبر کی حیات، اور جسم وروح کا تعلق (قسط15)...// // 10

مقالات ومضامین: تزکیۂ نفس، اصلاحِ معاشرہ واصلاحِ معاملہ

کھانے کے بعد مسنون دعا پڑھنے کا فائدہ اور پیغام....................مولانا شعیب احمد 15

علم کے مینار:.....فقہ مالکی، منہج، تلامذہ، کتب، مختصر تعارف.....مفتی غلام بلال 20

تذکرۂ اولیاء:............................عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ریاستی 24
گورنروں کی تقرری (قسط1)...مولانا محمد ریحان

پیارے بچو!.....................کھیل کھیل میں فٹ بال......................// // 27

بزمِ خواتین..................................امامت اور جماعت میں خواتین
کے اختیارات (دسواں حصہ)..مفتی طلحہ مدثر 29

آپ کے دینی مسائل کا حل...........................تکفیر بازی
ومغالطاتِ سلفی کا جائزہ (قسط3)..ادارہ 36

کیا آپ جانتے ہیں؟.......................تکرارِ جنازہ وانتقالِ
میت کی تحقیق (قسط6)...مفتی محمد رضوان 84

عبرت کدہ.........................''بچھڑا پرستی'' کی سزا.............مولانا طارق محمود 87

طب وصحت..................................ایلوویرا (Aloe Vera) اور
''ثُفَّاءُ'' (Garden Cress) کی افادیت......................حکیم مفتی محمد ناصر 91

اخبارِ ادارہ............ادارہ کے شب وروز...........................// // 92

www.idaraghufran.org

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آئینۂ احوال

مفتی محمد رضوان

واقعات وروایات میں غلو ومحاذ آرائی

ہمارے یہاں معاشرہ میں خواہ دنیوی شعبہ ہو، یا دینی ومذہبی شعبہ ہو، بہت سے لوگوں کو ہر ایک ہی میں غیر ضروری قصے، واقعات وروایات کے جھگڑے لے کر بیٹھے رہنے کی عادت ہوگئی ہے، ذرا ذرا سے واقعات وروایات کو بنیاد بنا کر، نہ جانے ان میں کیا کیا بخ نکالی جاتی ہے، اور جن واقعات وروایات سے عملی زندگی کا کوئی تعلق بھی نہیں ہوتا، خوامخواہ ان کے درپے ہوا جاتا ہے، اگر تاریخی واقعات وروایات سے کوئی بامقصد سبق وعبرت حاصل کرنا مقصود ہو، تو الگ بات ہے، لیکن ہمارے یہاں بامقصد سبق وعبرت تو دور کی بات ہے، جب تک ان کے متعلق اس طرح فیصلہ نہ کردیا جائے، جس سے مختلف افراد واشخاص کے متعلق جنتی، یا جہنمی ہونا طے نہ ہوجائے، اس وقت تک سکون حاصل نہیں ہوتا۔

چنانچہ میڈیا، اخبارات، دینی رسائل وجرائد اور منبر ومحراب میں ایسے واقعات وروایات کو بڑی اہمیت دی جاتی ہے، جن کا نہ تو قرآن وسنت نے کوئی فیصلہ کیا، اور نہ ہی ہمارے پاس ان کی کوئی ایسی سند ہوتی ہے کہ جن کی بنیاد پر ان کے بارے میں کوئی حتمی وقطعی رائے قائم کی جاسکے۔

بعض اوقات شخصی واقعات کے متعلق ایک سے زیادہ روایات بھی ہوتی ہیں، اور شرعی اعتبار سے ہمارے پاس کوئی ایسا معیار نہیں ہوتا، جس کی بنیاد پر ہم ایک روایت کو حتمی طور پر صحیح اور دوسری روایت کو حتمی طور پر غلط قرار دے سکیں۔

لیکن اپنے رجحانات، یا پسندیدہ اقوال وروایات کی وجہ سے ایک طبقہ ایک قول وروایت کو صد فیصد درست، اور دوسرا طبقہ دوسری روایت وقول کو صد فیصد خطاء ثابت کرنے، اور اس کے خلاف زبان درازی کرنے پر اپنی صلاحیتوں کو خرچ کرتا ہے۔

اور واقعات کو صدیاں گزرنے کے باوجود گفت وشنید اور تحریر وتقریر، اور اس میں تشدد وتعصب ومحاذ

www.idaraghufran.org

آرائی کا یہ سلسلہ ختم نہیں ہوتا، بلکہ ہر آنے والا دور گزشتہ دور سے دو قدم آگے ہی بڑھتا دکھائی دیتا ہے۔
دنیاوی معاملات میں تو میڈیا اور اخبارات میں آنے والے واقعات اور ان پر تبصروں و تجزیوں کی داستان بہت طویل ہے، ہم یہاں مذہبی اعتبار سے ایک مشہور مثال ذکر کرتے ہیں، جس کی روشنی میں دوسرے واقعات کو سمجھنا آسان ہوگا۔
خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخِ ولادت، یا تاریخِ وفات کے بارے میں مختلف تاریخی اقوال وروایات ہیں، جس کی وجہ یہی ہے کہ نہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے امت کو اس سے آگاہ کیا گیا، نہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس کے متعلق کوئی واضح فیصلہ کیا گیا، نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کو یاد رکھنے کا کوئی خاطر خواہ اہتمام کیا، اور اس کی وجہ سے نہ کسی شرعی فرض، واجب، یا سنت میں خلل واقع ہوا، نہ آپس میں ایک دوسرے کے خلاف کوئی محاذ قائم ہوا۔
ان حضرات کی طرف سے اس کے بجائے دین کے مسلمہ اصول وقواعد اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک سنت کی حفاظت کا اہتمام ہوتا رہا۔
لیکن آج ہمارے معاشرہ میں اسی تاریخِ ولادت، یا وفات کو بہت زیادہ اہمیت دی جاتی ہے، اور اس پر ایک دوسرے کے خلاف محاذ قائم کیا جاتا ہے۔
یہ تو ایک چھوٹی سی مثال تھی، ورنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابۂ کرام اور تابعین کے ادوار سے متعلق بھی اس طرح کے تاریخی واقعات وروایات کی کمی نہیں، جن پر ہمارے معاشرہ میں رات و دن جھگڑے، اور ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرائی کا سلسلہ قائم ہے، جن کا خیرُ القرون اور سلفِ صالحین کے ادوار میں کوئی نام ونشان تک نہ تھا۔
اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ بلا وجہ اس طرح کے واقعات کی کھود کرید میں غلو ومبالغہ سے کام نہ لیا جائے، ان کی بنیاد پر ایک دوسرے کے خلاف محاذ قائم کرنے سے گریز واجتناب کیا جائے، اور بوقتِ ضرورت مختلف اقوال وروایات میں سے کسی ایک کو ترجیح دینے کے لیے اس کے درجہ وسند اور دین کے اصول وقواعد کو ملحوظ رکھا جائے، اور اس کے بجائے دین کے اہم اور مسلمہ امور پر اپنی صلاحیتوں کے بنیادی محور کو مرکوز رکھا جائے۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

www.idaraghufran.org

درسِ قرآن(سورہ آلِ عمران: قسط34،آیت نمبر113 تا آیت نمبر117) مفتی محمد رضوان

بعض اہلِ کتاب کے مومن،اور بعض کے کافر ہونے کا ذکر

لَيْسُوْا سَوَاءً مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَاءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ(113)يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَاُولٰئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ(114)وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالْمُتَّقِيْنَ(115)اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَاُولٰئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ. هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ(116)مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ(117)

(سورة آل عمران،رقم الآيات١١٣ الى ١١٧)

ترجمہ: نہیں ہیں وہ برابر، اہلِ کتاب میں سے، کچھ لوگ وہ ہیں، جو کھڑے ہوکر تلاوت کرتے ہیں، اللہ کی آیات کی، رات کے اوقات میں، اور وہ سجدہ کرتے ہیں(113)ایمان رکھتے ہیں وہ اللہ پراورآخرت کے دن پر،اوروہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہیں، اور جلدی کرتے ہیں وہ نیک کاموں میں، اور یہی لوگ صالحین میں سے ہیں(114)اور جو کچھ بھی کرتے ہیں وہ خیر کے کام،تو ہرگز انکارنہیں کیا جائے گا ان کا، اور اللہ خوب جاننے والا ہے متقیوں کو(115)بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، ہرگز نہیں فائدہ پہنچائیں گے، اُن کو ان کے اموال، اور نہ ان کی اولاد، اللہ کے مقابلہ میں کسی چیز کا، اور یہی لوگ آگ(یعنی جہنم)والے ہیں، یہ لوگ اس(آگ)میں ہمیشہ رہیں گے(116)مثال اُن چیزوں کی، جو خرچ کرتے ہیں وہ اس دنیا کی زندگی میں،اس ہوا کی طرح ہے،جس میں سخت سردی ہو،پہنچ جائے وہ کسی

قوم کی کھیتی کو، جنہوں نے ظلم کیا اپنے آپ پر، پھر ہلاک کردے وہ اس (کھیتی) کو، اور نہیں ظلم کیا ان پر اللہ نے، اور لیکن وہ خود ہی ظلم کرتے ہیں (117) (سورہ آلِ عمران)

تفسیر وتشریح

سورہ آلِ عمران کی مندرجہ بالا ابتدائی آیات دو میں جو سب لوگوں کے برابر نہ ہونے، اور بعض اہلِ کتاب کے، رات کے اوقات میں کھڑے ہو کر تلاوت کرنے، اور سجدہ کرنے، اور اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھنے، اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے، اور نیک کاموں میں جلدی کرنے، اور ان کے صالحین میں سے ہونے، اور ان کے خیر کے کام کرنے پر، انکار نہ کیے جانے، یعنی اُن کے اللہ کے نزدیک خیر کے کاموں کے قبول کیے جانے کا جو ذکر کیا گیا، اس کے بارے میں مختلف روایات آئی ہیں۔

اور یہ بات معلوم ہے کہ مختلف واقعات کے ذیل میں کسی آیت، یا چند آیات کا نازل ہونا ممکن ہوا کرتا ہے، اس لیے ان میں درحقیقت کوئی ٹکراؤ نہیں ہوا کرتا۔

حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَخَّرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً صَلَاةَ الْعِشَاءِ، ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الْمَسْجِدِ، فَإِذَا النَّاسُ يَنْتَظِرُونَ الصَّلَاةَ، فَقَالَ: إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِ الْأَدْيَانِ أَحَدٌ يَذْكُرُ اللَّهَ فِي هَذِهِ السَّاعَةِ غَيْرُكُمْ، قَالَ: وَأُنْزِلَتْ هَؤُلَاءِ الْآيَاتُ: "لَيْسُوا سَوَاءً مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ" إِلَى "وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ"

(مسند أبي يعلى، رقم الحديث ٥٣٠٦) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ عشاء کی نماز میں تاخیر کی، پھر آپ نماز کے لیے مسجد کی طرف نکلے، اس وقت لوگ نماز کا انتظار کر رہے تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یاد رکھو کہ اس وقت اہلِ ادیان میں سے تمہارے علاوہ کوئی بھی اللہ کے ذکر میں مشغول نہیں، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس

[1] قال حسين سليم أسد الداراني: إسناده حسن (حاشية مسند ابی يعلیٰ)

www.idaraghufran.org

پر(سورہ آلِ عمران کی) یہ آیات نازل ہوئیں:

”لَيُسُوا سَوَاءً مِنُ أَهُلِ الُكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتُلُونَ آيَاتِ اللَّهِ سے لے کر

”واللّٰہ علیم بالمتقین“ تک(ابو یعلیٰ)

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کا انتظار کرنے والا بھی نماز کے ثواب کے حصول کا مستحق ہوتا ہے، اس لیے مذکورہ حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کا انتظار کرنے والوں کو اللہ کے ذکر میں مشغول ہونے کا حکم لگایا۔

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

لَمَّا أَسُلَمَ عَبُدُ اللهِ بُنُ سَلَامٍ، وَثَعُلَبَةُ بُنُ سَعُيَةَ، وَأَسَدُ بُنُ عُبَيُدٍ، وَمَنُ أَسُلَمَ مِنُ يَهُودَ، فَآمَنُوا، وَصَدَّقُوا، وَرَغِبُوا فِي الُإِسُلَامِ، قَالَتُ أَحُبَارُ يَهُودَ أَهُلُ الُكُفُرِ :مَا آمَنَ بِمُحَمَّدٍ، وَلَا تَبِعَهُ إِلَّا شِرَارُنَا، وَلَوُ كَانُوا مِنُ خِيَارِنَا، مَا تَرَكُوا دِينَ آبَائِهِمُ، فَأَنُزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ فِي ذَلِكَ مِنُ قَوُلِهِمُ :(لَيُسُوا سَوَاءً مِنُ أَهُلِ الُكِتَابِ) إِلَى قَوُلِهِ (مِنَ الصَّالِحِينَ) (المعجم الكبير للطبرانی، ١٣٨٨)[1]

ترجمہ: جب عبداللہ بن سلام، ثعلبہ بن سعیہ، اسد بن عبید اور دوسرے یہودیوں میں سے جو لوگ ایمان لائے، اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی اور اسلام کی طرف راغب ہوئے، تو یہود کے اہلِ کفر احبار نے کہا کہ نہیں ایمان لائے محمد پر اور نہ ان کی اتباع کی، مگر ہمارے شریر لوگوں نے، اور اگر یہ لوگ ہمارے اچھے لوگوں میں سے ہوتے، تو اپنے آباء واجداد کے دین کو نہ چھوڑتے، تو اللہ عزوجل نے ان کی اس بات کے بارے میں یہ آیات نازل فرمائیں کہ:

” لَيُسُوا سَوَاءً مِنُ أَهُلِ الُكِتَابِ سے لے کر” من الصالحین“ تک (طبرانی)

جو اہلِ کتاب، ایمان لے آئیں، اور وہ ایمان لانے سے پہلے، اہلِ کتاب ہونے کی حالت میں

[1] قال الهيثمي: رواه الطبراني، ورجاله ثقات(مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ١٠٨٩٩، كتاب التفسير، باب سورة آل عمران)

www.idaraghufran.org

بھی مومن وموحد تھے، تو اُن کے لیے حدیث میں دوہرے اجروثواب کا ذکر آیا ہے۔

چنانچہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ " :ثَلاَثَةٌ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ: الرَّجُلُ تَكُونُ لَهُ الأَمَةُ، فَيُعَلِّمُهَا فَيُحْسِنُ تَعْلِيمَهَا، وَيُؤَدِّبُهَا فَيُحْسِنُ أَدَبَهَا، ثُمَّ يُعْتِقُهَا فَيَتَزَوَّجُهَا فَلَهُ أَجْرَانِ، وَمُؤْمِنُ أَهْلِ الكِتَابِ، الَّذِي كَانَ مُؤْمِنًا، ثُمَّ آمَنَ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَلَهُ أَجْرَانِ، وَالعَبْدُ الَّذِي يُؤَدِّي حَقَّ اللَّهِ، وَيَنْصَحُ لِسَيِّدِهِ (صحیح البخاری، رقم الحدیث ٣٠١١)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین آدمی ایسے ہیں جن کو دو اجر حاصل ہوں گے، ایک وہ جو اپنی باندی کو اچھی طرح تعلیم دے اور اس کو ادب سکھائے اور پھر اسے آزاد کر کے اس سے خود نکاح کر لے، اس کو دو اجر حاصل ہوں گے، اور دوسرا وہ جو اہل کتاب مومن تھا، پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آیا، اس کو بھی دو اجر حاصل ہوں گے، اور تیسرا وہ غلام جو اللہ کا حق ادا کرتا ہے اور اپنے آقا کی بھی خیر خواہی کرتا ہے

(بخاری)

پھر اس کے بعد سورہ آلِ عمران کی اگلی دو آیات میں مذکورہ حضرات کے برعکس اُن لوگوں کا ذکر کیا گیا، جنہوں نے کفر کیا، اور واضح کیا گیا کہ ان کفر کرنے والوں کو اُن کے مال ودولت اور اولاد، اللہ کے مقابلہ میں کسی قسم کا کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکیں گی، اور یہ لوگ آخرت میں اہلِ جہنم میں سے ہوں گے، جو اُس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اور کفر کی حالت میں وہ، جو کچھ دنیا میں خرچ کرتے ہیں، آخرت میں اُس کے اجروثواب کی توقع رکھنا، درست نہیں، کیونکہ کفر کی حالت میں اس طرح خرچ کرنے کی مثال ایسی ہے، جیسا کہ کچھ لوگوں کی کھیتی کو سخت سردی میں ٹھنڈی ہوا پہنچ جائے، اور اس سے وہ کھیتی، ہلاک ہو جائے، یہ لوگ کفر اختیار کر کے، خود ہی اپنے اوپر ظلم کرنے والے ہیں، اللہ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

سورہ آلِ عمران میں اس سے پہلے بھی، کافروں کے بارے میں اسی طرح کا مضمون، درجِ ذیل

www.idaraghufran.org

الفاظ میں گزر چکا ہے کہ:

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَنۡ تُغۡنِیَ عَنۡهُمۡ اَمۡوَالُهُمۡ وَلَاۤ اَوۡلَادُهُمۡ مِّنَ اللّٰهِ شَیۡـئًا وَاُولٰٓئِکَ هُمۡ وَقُوۡدُ النَّارِ (سورة آل عمران، رقم الآية ١٠)

ترجمہ: بے شک وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا، ہرگز نہیں فائدہ پہنچائیں گے، اُن کو ان کے اموال، اور نہ ان کی اولاد، اللہ کے مقابلہ میں کسی چیز کا، اور یہی لوگ ہیں، آگ کا ایندھن (سورہ آلِ عمران)

اور سورہ مجادلہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

لَنۡ تُغۡنِیَ عَنۡهُمۡ اَمۡوَالُهُمۡ وَلَاۤ اَوۡلَادُهُمۡ مِنَ اللّٰهِ شَیۡئًا اُولٰٓئِکَ اَصۡحَابُ النَّارِ هُمۡ فِیۡهَا خَالِدُوۡنَ (سورة المجادلة، رقم الآية ١٧)

ترجمہ: ہرگز نہیں فائدہ پہنچائیں گے اُن کو، اُن کے اموال، اور نہ اُن کی اولاد، اللہ کے مقابلے میں کسی چیز کا، یہی لوگ ہیں آگ والے، یہ اس میں ہمیشہ رہیں گے (سورہ مجادلہ)

خلاصہ یہ کہ جو شروع سے مومن ہو، یا پہلے اہلِ کتاب ہو، اور پھر ایمان لے آئے، اور وہ اعمالِ صالحہ کو اختیار کرے، تو اس کو بہرحال اجر وثواب حاصل ہوتا ہے، دینِ اسلام کے راستے سب لوگوں کے لیے کھلے ہوئے ہیں، کسی ایک جماعت، یا طبقہ و مذہب کے ساتھ مختص نہیں۔

اور جو لوگ کفر اختیار کرتے ہیں، ان کے لیے جہنم کا دائمی عذاب ہے، اور ان کا مال و دولت کو خرچ کرنا، آخرت میں ثواب کا باعث نہیں۔

www.idaraghufran.org

درسِ حدیث

مفتی محمد رضوان

احادیثِ مبارکہ کی تفصیل وتشریح کا سلسلہ

برزخ وقبر کی حیات، اور جسم وروح کا تعلق (قسط15)

علامہ آلوسی کا چوتھا حوالہ

علامہ آلوسی اپنی مذکورہ تفسیر''روحُ المعانی ''میں ایک مقام پرفرماتے ہیں:

البحث السادس فی مستقر الأرواح بعد مفارقة الأبدان الذی دلت علیه الأخبار أن مستقر الأرواح بعد المفارقة مختلف فمستقر أرواح الأنبیاء علیهم السلام فی أعلی علیین وصح أن آخر کلمة تکلم بها صلی الله علیه وسلم اللهم الرفیق الأعلی وهو یؤید ما ذکر، ومستقر أرواح الشهداء فی الجنة ترد من أنهارها وتأکل من ثمارها وتأوی إلی قنادیل معلقة بالعرش (روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم، ج۸، ص۱۵۳، سورة الإسراء)

ترجمہ: چھٹی بحث ارواح کے ٹھکانے کے متعلق ہے، ابدان سے جدا ہونے کے بعد، جس کے متعلق احادیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جسم سے جدا ہونے کے بعد(عالَمِ برزخ میں) ارواح کا ٹھکانا مختلف ہوتا ہے، چنانچہ انبیاء علیہم السلام کی ارواح، اعلیٰ علیین میں ہوتی ہیں، اور صحیح احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری کلام یہ فرمایا کہ''اللّٰھم الرفیق الأعلی ''جس سے ہماری مذکورہ بات کی تائید ہوتی ہے کہ انبیاء کی ارواح کا ٹھکانا، اعلیٰ علیین میں ہے۔ اور شہداء کی ارواح کا ٹھکانا، جنت میں ہے، وہ جنت کی نہروں پر آتی ہیں، اور جنت کے پھلوں کو کھاتی ہیں، اور عرش کے ساتھ لٹکی ہوئی قندیلوں میں پہنچ جاتی ہیں (روح المعانی)

www.idaraghufran.org

علامہ آلوسی کا پانچواں حوالہ

علامہ آلوسی اپنی مذکورہ تفسیر میں ہی فرماتے ہیں:

وبهذا التحقيق تندفع معارضات كثيرة واعتراضات وفيرة، ويعلم أن حديث ما من أحد يمر بقبر أخيه المؤمن كان يعرفه في الدنيا فسلم عليه إلا عرفه ورد عليه السلام. ليس نصا في أن الروح على القبر إذ يفهم منه أن الذى في القبر حقيقته النفسانية المتصلة بالروح اتصالا لا يعلم كنهه إلا الله تعالى. وللروح مع ذلك أحوالا وأطوارا لا يعلمها إلا الله تعالى فقد تكون مستغرقة بمشاهدة جمال الله تعالى وجلاله سبحانه ونحو ذلك وقد تصحو عن ذلك الاستغراق وهو المراد برد الروح في خبر ما من أحد يسلم على إلا رد الله تعالى روحى فأرد عليه السلام. والذى ينبغي أن يعول عليه مع ما ذكر أن الأرواح وإن اختلف مستقرها بمعنى محلها الذى أعطيته بفضل الله تعالى جزاء عملها لكن لها جولانا في ملك الله تعالى حيث شاء جل جلاله ولا يكون إلا بعد الأذن وهي متفاوتة في ذلك حسب تفاوتها في القرب والزلفى من الله تعالى (تفسير روح المعانی، ج۸، ص ۱۵۵، سورۃ الاسراء)

ترجمہ: اور اس تحقیق سے کثیر تعارضات اور وافر اعتراضات دور ہوگئے، اور یہ بات معلوم ہوگئی کہ حدیث میں جو یہ آیا ہے کہ ''جو شخص بھی اپنے مومن بھائی کی قبر کے قریب سے گزرتا ہے، جو اس کو دنیا میں پہچانتا تھا، پھر وہ اس کو سلام کرتا ہے، تو وہ قبر والا اس کو پہچان لیتا ہے، اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے''۔

تو اس میں اس بات کی وضاحت نہیں کہ روح قبر پر ہوتی ہے، کیونکہ اس سے تو یہ بات سمجھی جاتی ہے کہ قبر میں اس کی حقیقتِ نفسانیہ ہوتی ہے، جو روح کے ساتھ متصل ہوتی

ہے، اور اس کے اتصال کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ [1]

اور اس کے باوجود روح کے مختلف احوال اور طور وطریقے ہوتے ہیں، ان کو بھی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، بعض اوقات روح، اللہ تعالیٰ کے جمال، اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے جلال کے مشاہدہ میں مستغرق ہوتی ہے، یا اسی طرح کی کسی دوسری حالت میں ہوتی ہے، اور بعض اوقات اس استغراق سے نکل آتی ہے، اور اس حدیث میں بھی روح کے لوٹنے سے مراد یہی ہے، جس میں یہ آیا ہے کہ ''جو شخص بھی مجھ پر سلام پڑھتا ہے، تو اللہ تعالیٰ میری روح کو لوٹا دیتا ہے، پھر میں اس کے سلام کا جواب دے دیتا ہوں''۔

اور مذکورہ تفصیل کے ساتھ ایک اس اہم بات کو ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہے کہ ارواح کا ٹھکانا، یعنی اس کا وہ محل جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کے عمل کے بدلہ میں عطاء کیا جاتا ہے، وہ ٹھکانا اگرچہ مختلف ارواح کا مختلف ہوتا ہے، لیکن ان ارواح کو اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں رہتے ہوئے، جولان اور نقل وحرکت کا اختیار حاصل ہوتا ہے، جہاں اللہ جل جلالہٗ چاہتا ہے، لیکن یہ اللہ کے حکم کے بعد ہی ہوتا ہے، اور ارواح اس سلسلہ میں ایک دوسرے سے متفاوت ہیں، جس طرح سے اللہ تعالیٰ کے قرب اور نزدیکی میں ان کو تفاوت حاصل ہے (روح المعانی)

فائدہ: مذکورہ عبارت سے بھی انبیائے کرام کی اعلیٰ درجہ کی برزخی حیات حاصل ہونے کا ثبوت ہوا، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات کا تعلق امورِ غیب سے ہے، جس کا معاملہ عقل سے ماوراء ہے، اس لیے اس میں کھود کرید اور ظاہری قیاسات کے بجائے، قرآن وسنت کی نصوص کے مطابق ایمان لانا چاہیے، اور ارواح کے معاملہ کو ابدان واجسام پر قیاس کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

اگر آج بھی اس اصول پر عمل پیرا ہوا جائے، تو بہت سے تنازعات واختلافات سے محفوظ رہا جاسکتا ہے، اور کسی ایک عبارت کو پکڑ کر بیٹھ جانا، اور اس پر جمود اختیار کرنا مسئلہ کا اصل حل، بلکہ عدل پر مبنی طریقہ نہیں۔

---

[1] پس جس طرح کا اتصال، اللہ اور اس کے رسول سے معتبر سند کے ساتھ ہمیں معلوم ہوگا، اس پر ایمان لائیں گے، اور اپنی طرف سے اس کے متعلق محض قیاس سے کوئی فیصلہ نہ کریں گے، کیونکہ اس کا تعلق امورِ غیبی وتوقیفی سے ہے۔ محمد رضوان۔

www.idaraghufran.org

علامہ آلوسی کا چھٹا حوالہ

اورعلامہ آلوسی اپنی مذکورہ تفسیر میں ایک مقام پرفرماتے ہیں:

والأخبار المذكورة بعد فيما سبق المراد منها كلها إثبات الحياة فى القبر بضرب من التأويل، والمراد بتلك الحياة نوع من الحياة غير معقول لنا وهى فوق حياة الشهداء بكثير، وحياة نبينا صلى الله عليه وسلم أكمل وأتم من حياة سائرهم عليهم السلام. وخبر ما من مسلم يسلم على إلا رد الله تعالى على روحى حتى أرد عليه السلام.محمول على إثبات إقبال خاص والتفات روحانى يحصل من الحضرة الشريفة النبوية إلى عالم الدنيا وتنزل إلى عالم البشرية حتى يحصل عند ذلك رد السلام، وفيه توجيهات أخر مذكورة فى محلها. ثم إن تلك الحياة فى القبر وإن كانت يترتب عليها بعض ما يترتب على الحياة فى الدنيا المعروفة لنا من الصلاة والأذان والإقامة ورد السلام المسموع ونحو ذلك إلا أنها لا يترتب عليها كل ما يمكن أن يترتب على تلك الحياة المعروفة ولا يحس بها ولا يدركها كل أحد فلو فرض انكشاف قبر نبى من الأنبياء عليهم السلام لا يرى الناس النبى فيه إلا كما يرون سائر الأموات الذين لم تأكل الأرض أجسادهم، وربما يكشف الله تعالى على بعض عباده فيرى ما لا يرى الناس (تفسيرروح المعانی،ج ۱۱،ص۲۱۷،سورۃ الأحزاب)

ترجمہ: اور ماسبق کے بعد میں جو احادیث ذکر کی گئیں، ان سب سے مراد قبر میں ’’حیــاتُ النبــی ‘‘ کا اثبات ہے،خواہ کسی طرح کی تاویل کے ساتھ ہو،اوراس قبر کی حیات سے مراداس طرح کی حیات ہے، جو ہماری عقل سے بالاتر ہے،اوروہ شہداء کی حیات سے بہت زیادہ اونچی ہے،اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات تمام انبیاء

علیہم السلام کی حیات سے زیادہ اکمل اور اتم ہے۔

اور جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے کہ ’’جو مسلمان بھی مجھ پر سلام کرتا ہے، تو اللہ مجھ پر میری روح کو لوٹا دیتا ہے، یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دے دیتا ہوں‘‘۔

تو یہ خاص توجہ اور روحانی التفات کے اثبات پر محمول ہے، جو حضرتِ شریفہ نبویہ سے عالمِ دنیا کی طرف حاصل ہوتی ہے، اور وہ عالمِ بشریہ کی طرف نزول کرتی ہے، جس کے نتیجہ میں سلام کا جواب حاصل ہوجاتا ہے۔

اور اس میں دوسری توجیہات بھی ہیں، جو اپنے مقام پر مذکور ہیں۔

پھر اس قبر کی حیات پر اگرچہ بعض وہ چیزیں مرتب ہوجاتی ہیں، جو ہماری اس معروف دنیا کی حیات میں مرتب ہوتی ہیں، مثلاً نماز، اذان، اقامت (جیسا کہ معراج کی رات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیش آئے ہوئے واقعات سے معلوم ہوتا ہے) اور سنے ہوئے سلام کا جواب اور اس کے مثل دوسری چیزیں، لیکن اس کے باوجود اس قبر کی حیات پر ہر وہ چیز مرتب نہیں ہوتی، جس کا ہماری اس معروف دنیا کی حیات پر مرتب ہونا، ممکن ہوا کرتا ہے، اور اس قبر کی حیات کو ہر ایک نہ تو محسوس کرسکتا، اور نہ اس کا ادراک کرسکتا، پس اگر انبیاء علیہم السلام میں سے کسی نبی کی قبر کے کھولنے کو فرض کرلیا جائے، تو لوگ اس قبر میں نبی کو اسی طرح دیکھیں گے، جس طرح دوسری ان تمام اموات کو دیکھتے ہیں، جن کے اجسام کو زمین نے نہیں کھایا، البتہ بسا اوقات اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں پر ایسی چیزوں کے دیکھنے کو ظاہر فرمادیتا ہے، جس کو دوسرے لوگ نہیں دیکھ پاتے (روح المعانی)

مذکورہ عبارت میں صاف تصریح ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے اجسام تو قبور میں سلامت ہوتے ہیں، لیکن ان اجسام کا ارواح کے ساتھ تعلق غیبی و برزخی ہوتا ہے، جو عادتاً دوسرے انسانوں کو نظر نہیں آتا، اسی بنیاد پر اس حیات کو ’’برزخی حیات‘‘ قرار دیا جاتا ہے، اس کو قبول کرنا چاہیے، اور اس کے مطابق اعتقاد رکھنا چاہیے۔ (جاری ہے......)

www.idaraghufran.org

مقالات ومضامین مولانا شعیب احمد

کھانے کے بعد مسنون دعا پڑھنے کا فائدہ اور پیغام

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی کے مختلف مواقع پر پڑھنے کی جو دعائیں ہمیں تلقین فرمائی ہیں وہ جامع اور مفید ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے معنیٰ میں گہرائی اور بہت سے اسباق سموئے ہوئے ہوتی ہیں۔یہی معاملہ کھانے کے بعد پڑھی جانے والی مسنون دعا کا بھی ہے۔

کھانا پینا سبھی انسانوں کی بنیادی ضرورت ہے۔ہر انسان خواہ وہ کسی مذہب وقبیلہ اور کسی بھی ملک و قوم سے تعلق رکھتا ہو اپنی اس ضرورت کو پورا کرنے کا سامان ضرور کرتا ہے۔لیکن دیگر اقوام وملل کھانا کھا کر محض اپنی ایک انسانی ضرورت کی تکمیل کرتی ہیں جبکہ ایک مسلمان حلال روزی کھانے کے بعد حدیث میں بتلائی گئی دعا اگر پڑھے تو وہ اپنی دنیاوی ضرورت پوری کرنے کے ساتھ ساتھ دینی اور اُخروی فوائد بھی حاصل کر لیتا ہے ۔فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ:

’’جس نے کھانا کھا کر یہ دعا پڑھی:

”اَلحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ أَطْعَمَنِیْ هٰـذَا وَرَزَقَنِیْهِ مِنْ غَیْرِ حَوْلٍ مِـنِّـیْ وَلَا قُـوَّةٍ“

تو اس کے پچھلے گناہ بخش دیے جاتے ہیں‘‘(سنن الترمذی،حدیث نمبر:۳۴۵۸،أبواب الدعوات ،باب مایقول إذا فرغ من الطعام)

حدیث کا مفہوم واضح ہے کہ کھانا کھانے کے بعد مذکورہ بالا دعا پڑھنے سے انسان کے پچھلے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔یعنی کھانا کھانے سے انسان کی دنیاوی ضرورت بھی پوری ہو گئی اور اُخروی اعتبار سے یہ عظیم فائدہ حاصل ہوا کہ پچھلے صغیرہ گناہوں کے بوجھ سے آزادی مل گئی۔اگر کوئی مومن ہر مرتبہ کھانا کھانے کے بعد اس دعا کے پڑھنے کو اپنا معمول بنا لے تو کتنے ہی گناہ اس کے نامۂ اعمال سے روزانہ مٹتے چلے جائیں گے۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں یوں بھی آتا ہے کہ:

”إِنَّ اللّٰـهَ لَیَـرْضَـی عَـنِ الْعَبْدِ أَنْ یَأْكُلَ الْأَكْلَةَ فَیَحْمَدَهُ عَلَیْهَا أَوْ یَشْرَبَ

الشَّرْبَةَ فَيَحْمَدَهُ عَلَيْهَا" (صحيح مسلم، رقم الحديث: ۲۷۳۴، كتاب الذكر والدعاء، باب استحباب حمد الله تعالى بعد الأكل والشرب)

''بے شک اللہ بندہ سے اس بات پر بھی راضی ہوتے ہیں کہ وہ کھانا کھا کر اللہ کی تعریف کرے یا کوئی مشروب پی کر اللہ کی تعریف کرے''(مسلم)

یعنی کھانے پینے کے بعد خدا کا شکرادا کرنے سے انسان کی ایک بنیادی ضرورت پوری ہونے کے ساتھ خدا کی رضا بھی نصیب ہوتی ہے۔ یہ تو ہوا کھانے کے بعد مسنون دعا پڑھنے اور شکرادا کرنے کا فائدہ۔اب کھانے کے بعد دعا پڑھنے اور شکرادا کرنے کے پیغام اور سبق کو سمجھتے ہیں۔

دعا میں اس بات کا ذکر ہے کہ تمام تعریفیں، اللہ کے لیے ہیں، جس نے ہمیں کھانا کھلایا، اور ہماری طاقت وقوت کے بغیر ہمیں یہ کھانا عطاء فرمایا، جس کے ذریعہ انسان کو یہ سبق دیا گیا ہے کہ جو کھانا تم کھاتے ہو اس میں تمہارا کوئی کمال نہیں بلکہ یہ صرف خدا کا عطیہ اور انعام ہے۔قدرت کی ایک ایک شے جو انسان کھاتا ہے وہ تیاری کے نہ جانے کتنے ہی مشکل اور پیچیدہ مراحل سے گزر کر اس تک پہنچتی ہے۔جن میں سے اکثر مراحل ایسے ہوتے ہیں جن میں کسی انسان کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا بلکہ خدا کی قدرت اور خدا کی مختلف مخلوقات اس کی تیاری میں اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔

گندم کی ایک روٹی جو انسان کے سامنے پہنچتی ہے تو اس کی تیاری میں قدرت کے کتنے ہی کاریگروں کی محنت شامل ہوتی ہے۔کسان نے ہل چلا کر زمین میں بیج بو دیا، اس کے بعد انسان کا عمل دخل ختم۔ یہاں سے آگے خدا کی قدرت اپنے کرشمے دکھانا شروع کرتی ہے۔بارش کا پانی اس کی آبیاری کرتا ہے، سورج اپنی دھوپ اور بادل اپنی چھاؤں زمین پر منتقل کرتے ہیں، زمین ایک نرم ونازک کونپل کو اپنی سخت سطح سے بحفاظت باہر نکالتی ہے، حرارت، ٹھنڈک، ہوا، روشنی، رطوبت وغیرہ تمام عوامل اس نرم ونازک کونپل کو پروان چڑھاتے ہیں، بالآخر ایک ایک خوشے میں کئی کئی دانے پک کر تیار ہو جاتے ہیں اور جہاں پہلے چٹیل زمین تھی وہاں کھیتوں کے کھیت لہلہانے لگے۔ ان میں سے کون سا کام ہے جو ہمارے کیے سے ہوتا ہے؟ ظاہر ہے کہ ان عوامل میں کسی انسان کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔

www.idaraghufran.org

پھر فصل تیار ہونے پر کسان نے اسے کاٹا، اس کی صفائی ہوئی، اس کو بیوپاری تک پہنچایا گیا، بیوپاری سے غلہ چکی والے کے پاس پہنچا، چکی والے نے پیس کر آٹا بنایا، یہ آٹا نانبائی کے پاس پہنچا، اس نے آٹا گوندھ کر اس کی روٹی بنائی اور یوں آخر کار یہ کھانے کے قابل ہوئی۔اسی طرح باقی تمام فصلوں، سبزیوں، پھلوں اور دیگر مختلف غذاؤں کا بھی معاملہ ہے کہ قدرت کے کتنے ہی کاریگروں کی صناعی ان کی تیاری میں شاملِ حال رہا کرتی ہے۔

بسا اوقات تو کھیتی اور فصل تیار ہو جانے کے بعد بھی انسان اُس سے نفع نہیں اٹھا پاتا۔ پکی پکائی فصل اور کھیتی کسی حادثہ یا آسمانی آفت کی نذر ہو جائے تو بیج بھی خرچ ہوا، محنت بھی صَرف ہوئی لیکن فصل سب اکارت گئی۔اسی لیے تو خدا انسان سے سوال کرتا ہے کہ:

”أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَحْرُثُونَ.أَأَنتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ.لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُونَ .إِنَّا لَمُغْرَمُونَ .بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ(سورة الواقعة، رقم الآيات:٦٣ الیٰ ٦٧)

”کیا تم نے غور کیا کہ یہ بیج جو تم بوتے ہو۔کیا تم اسے اُگاتے ہو یا ہم اُگانے والے ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو اس کو ریزہ ریزہ کر ڈالیں، پس تم افسوس کرتے رہ جاؤ کہ ہم پر تو تاوان پڑ گیا۔ بلکہ ہم تو (بالکل ہی) محروم رہ گئے“(واقعہ)

اسی طرح پانی جس کے ساتھ انسان بلکہ تمام حیوانات کی زندگی وابستہ ہے اس کی تیاری اور فراہمی بھی قدرت کا ایک عجیب کرشمہ ہے، جس کے حصول میں انسان کا کوئی عمل دخل نہیں۔اللہ تبارک وتعالیٰ بارشیں ہی نہ برسائیں تو ہم پانی کہاں سے حاصل کریں؟ زمین کے چشمے خدا خشک کر ڈالے تو ہم کیا کر سکیں گے؟ دریاؤں، نہروں، ندی نالوں اور سمندروں کا پانی جب سے دنیا قائم ہوئی تب سے انسان نے استعمال کرنا شروع کیا اور آج تک بے دریغ استعمال کیے چلا جا رہا ہے، پانی کی اتنی وافر مقدار کہاں سے میسر آئی؟ خدا انسان سے پوچھتا ہے کہ:

أَفَرَأَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِي تَشْرَبُونَ.أَأَنتُمْ أَنزَلْتُمُوهُ مِنَ الْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ الْمُنزِلُونَ.لَوْ نَشَاءُ جَعَلْنَاهُ أُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُونَ“(سورة الواقعة، رقم الآيات:٦٨ الیٰ ٧٠)

www.idaraghufran.org

”پھر کیا تم نے غور کیا کہ یہ پانی جو تم پیتے ہو۔کیا تم اسے بادلوں سے اتارتے ہو یا ہم اتارنے والے ہیں؟اگر ہم چاہیں تو اسے کڑوا بنادیں،تو تم کیوں شکر ادا نہیں کرتے؟“ (واقعہ)

خلاصہ یہ کہ کھانے پینے کے بعد مسنون دعا پڑھنے میں ایک سبق یہ پوشیدہ ہے کہ آدمی کی نگاہ اپنی کمزوری اور خدا کی قدرت کی طرف جائے اور دل میں یہ استحضار قوی ہو کہ ہم جو کھانا کھاتے ہیں وہ محض اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اور اپنی قدرت سے ہمیں عطا فرماتے ہیں۔

دوسرا سبق اس دعا سے یہ ملتا ہے کہ کھانا دیتے بھی اللہ ہیں اور کھلاتے بھی اللہ ہیں۔یعنی کھانا حاصل ہونے کے بعد اسے کھانے کے دوران اور بعد میں جو مراحل پیش آتے ہیں ان میں بھی قدرت کی کاریگری کام کرتی ہے تبھی انسان کے لیے کھانا پینا ممکن ہوتا ہے۔آدمی جب کھانے کا پہلا لقمہ اپنے منہ میں ڈالتا ہے تو یہیں سے خدا کی دی ہوئی مختلف نعمتوں کا کام شروع ہو جاتا ہے۔دانت اس لقمہ کو باریک کرتے ہیں،زبان اس کا ذائقہ انسان تک پہنچاتی ہے،منہ کا لعاب اس کو حلق سے اتارنے میں مددگار ثابت ہوتا ہے،ایک ٹیبلٹ انسان کو کھانی پڑے تو پانی کے بڑے بڑے گھونٹ کے ساتھ اس کو حلق سے اتارا جاتا ہے لیکن کھانے کے لقمے ہیں کہ منہ کے لعاب سے ہی بآسانی حلق سے نیچے اترتے جارہے ہیں۔پھر حلق سے نیچے اترنے کے بعد یعنی کھانا کھالینے کے بعد انسان فارغ ہو کر اپنے کاموں میں مشغول ہو گیا،لیکن خدا کا تشکیل دیا ہوا جسمانی کارخانہ اس غذا کو ہضم کرنے،اس کے مفید اجزاء کو جزوِ بدن بنانے اور مضر اجزاء کو باہر نکالنے کے لیے مستعد ہو جاتا ہے۔

الغرض کھانا میسر ہونا ایک نعمت ہے اور اس کھانے سے مستفید ہونا دوسری نعمت ہے۔کھانا موجود اور میسر ہونے کے باوجود بعض اوقات انسان کے لیے اس کو کھانا مشکل بلکہ ناممکن ہو جاتا ہے۔ کتنے ہی لوگ ہیں کہ جن کے دسترخوان پر انواع واقسام کی غذائیں اور طرح طرح کے مشروبات موجود تو ہوتے ہیں لیکن بیماری کی وجہ سے وہ اپنا بدمزہ،پھیکا اور مخصوص پرہیزی کھانا کھانے پر مجبور ہوتے ہیں۔کتنے ہی افراد شوگر کے مرض کی وجہ میٹھا کھانے سے محروم ہو جاتے ہیں حالانکہ ان کے گھر اور دسترخوان پر ڈھیروں میٹھی اشیاء موجود ہوتی ہیں۔کتنے ہی انسان معدہ کی خرابی کی وجہ سے نمکین اور مرغن غذا کھانے سے معذور ہو جاتے ہیں حالانکہ ان کے دسترخوان اور گھر میں طرح

www.idaraghufran.org

طرح کے لذیذ اور مرغن کھانے موجود ہوتے ہیں۔ مذکورہ بالا دعا میں موجود ''أَطْعَمَنِیْ هٰذَا '' کے دو الفاظ سے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ کھانا حاصل ہوجانا ایک الگ نعمت ہے اور اس کھانے کو کھالینا ایک دوسری نعمت ہے۔

پس انسان جو کچھ کھاتا پیتا ہے اس میں آدمی کا کوئی کمال نہیں۔ نہ اس کے حصول میں انسان کا کوئی کمال ہے اور نہ اس کو کھانے میں اس کا کوئی کمال۔ یہ سراسر خدا کی مہربانی ہے کہ اس نے انسان کو کھانا عطا بھی کیا، اس کو کھانے کی صلاحیت بھی دی اور اس کھانے کو انسان کے لیے مفید بھی بنایا۔ لہٰذا لازم ہے کہ انسان کھانے پینے کے بعد خدا کا شکر ادا کرے اور صرف اپنی زبان سے ہی نہیں بلکہ دل سے کہے:

''اَلحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ أَطْعَمَنِیْ هٰذَا وَرَزَقَنِیْهِ مِنْ غَیْرِ حَوْلٍ مِنِّیْ وَلَا قُوَّةٍ''

''تمام تعریفیں اُس اللہ کے لیے ہیں کہ جس نے یہ کھانا مجھے کھلایا اور میری کسی طاقت و قوت کے بغیر یہ مجھے عطا کیا''

www.idaraghufran.org

علم کے مینار (امت کے علماء وفقہاء: قسط23) مفتی غلام بلال

مسلمانوں کے علمی کارناموں وکاوشوں پر مشتمل سلسلہ

فقہ مالکی، منہج، تلامذہ، کتب، مختصر تعارف

گزشتہ اقساط میں فقہ مالکی کا مختصر تعارف ومنہج، اوراس ضمن میں امام مالک رحمہ اللہ کی مختصر سوانح حیات اورآپ کے فقہی ذوق کا ذکر کیا گیا، ذیل میں فقہ مالکی کے بنیادی اصول اور مآخذ ومراجع کا مختصراً ذکر کیا جاتا ہے۔

مالکی مسلک ومنہج

نصوص، یعنی کتابُ اللہ اورسنتِ رسول اللہ سے استدلال تو تمام ائمہ کرام اور مجتہدین کے نزدیک اصل ہیں، اور بنیادی مآخذ کا درجہ رکھتے ہیں، البتہ احادیث کی روایات میں تعارض واختلاف کو رفع (یعنی دور) کرنے اوران میں تطبیق دینے، اوراسی طرح بعض احادیث کو بعض پر ترجیح دینے کا عمل مختلف ائمہ کے درمیان مختلف اصولوں پر مبنی رہا ہے۔

چنانچہ اس ضمن میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ قرآن وسنت سے اصول وکلیات اور صحابہ کرام بالخصوص خلفائے راشدین کے فتویٰ وعمل کو زبردست مرجح ومآخذ تسلیم کرتے ہیں، جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ عموماً ’’ أصحُ الأسانيد ‘‘ کو اختیار کرتے ہیں۔

لیکن امام مالک رحمہ اللہ کیونکہ اہلِ حجاز کے امام ہیں، اس لیے ان کے نزدیک تعاملِ اہلِ مدینہ (یعنی مدینہ والوں کا عمل) اوراسی طرح فقہائے سبعہ کا مسلک بڑا مرجح ومآخذ ہے، اورآپ نے اہلِ مدینہ کے عمل کو معیار قرار دے کران پر استنباطِ احکام کا مدار رکھا، اور مصالح مرسلہ (مصلحتِ عامہ) کو بھی اہم استدلال کے طور پر اختیار کیا۔

مالکی اصول ومآخذ

باقی امام مالک رحمہ اللہ نے اپنے مسلک کی بنیاد جن اصولوں پر رکھی، وہ کل بیس (20) اصول ہیں، جن میں سے پانچ کتابُ اللہ اور پانچ سنتِ رسولُ اللہ سے متعلق ہیں۔

www.idaraghufran.org

کتابُ اللہ سے متعلق پانچ اصول یہ ہیں:

(۱) نصُ الکتاب (۲) ظاھرُ الکتاب، یعنی عمومُ الکتاب (۳) دلیلُ الکتاب، یعنی مفہومِ مخالف (۴) مفھومُ الکتاب، یعنی مفہومِ موافق (۵) تنبیهُ الکتاب.

اور سنت سے متعلق پانچ اصول بھی اس ترتیب وتفصیل کے ساتھ ہیں، جیسا کہ:

(۱) نصُ السنة (۲) ظاھرُ السنة (۳) دلیلُ السنة (۴) مفھومُ السنة (۵) تنبیهُ السنة.

باقی دس اصول مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) اجماع (۲) قیاس (۳) تعاملِ اہلِ مدینہ (۴) قولِ صحابی، جب کہ سند صحیح ہو (۵) استحسان (۶) سدِّ ذرائع (۷) مراعاةُ الخلاف، یعنی اختلاف کی رعایت کرنا (۸) استصحابِ حال (۹) مصالح مرسلہ (۱۰) شرائع ماقبل.

لیکن جن پانچ اصولوں سے فقہ مالکی کی زیادہ شہرت ہوئی، وہ درج ذیل ہیں:

(۱) عمل بالسنة (۲) تعاملِ اہلِ مدینہ (۳) مصالحِ مرسلہ (۴) قولِ صحابی (۵) استحسان۔

چنانچہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک عمل بالسنة اور تعاملِ اہلِ مدینہ (یعنی اہل مدینہ کے عمل) کو بہت اہمیت حاصل ہے، اور اس کو بنیادی مصادر ومآخذ میں سے شمار کیا ہے، کیونکہ آپ کے نزدیک مدینہ علوم کا مخزن، اور مہبطِ وحی ہے، اسی وجہ سے آپ کا فرمانا ہے کہ اہلِ مدینہ کا تعامل حجت ہونا چاہیے۔

لیکن اگر کسی مسئلہ میں کوئی دلیل یا جواب نہ پاتے، تو پھر قیاس یا پھر ایک نئی دلیل یعنی مصالح مرسلہ کے ذریعے اجتہاد کرلیا کرتے تھے، جس کا مطلب ہے مصلحت عامہ کا تقاضا، مصالحہ مرسلہ مالکیوں کے یہاں مستقل دلیل ہے، اور فقہائے احناف بھی اس سے استدلال کرتے ہیں، اپنی اپنی شرائط کے ساتھ۔

رہا باقی اصولوں کا معاملہ جیسا کہ قولِ صحابی، استحسان، سدذرائع، استصحابِ حال، اور شرائع ماقبل وغیرہ،

www.idaraghufran.org

تو یہ اصول فقہ حنفی میں بھی کتابُ اللہ،سنتِ رسول اللہ،اجماع اور قیاس کے بعد بنیادی اصولوں کا درجہ رکھتے ہیں،حنفیوں اور مالکیوں کے ہاں ان اصولوں کی اپنی اپنی شرائط ہیں،البتہ قدرِ مشترک یہ ان سب سے استدلال کرتے ہیں،جیسا کہ اصولِ فقہ کی کتابوں میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ [1]

لیکن مشہور مالکی فقیہ قاضی عیاض رحمہ اللہ(المتوفیٰ:544ھ)نے اپنی کتاب''ترتیبُ المدارک وتقریبُ المسالک''میں تعاملِ اہلِ مدینہ کی طرح''اجتہاد''کو بھی فقہ مالکی کے اہم اور بنیادی اصولوں میں شامل کیا ہے،اور اس''اجتہاد''کی شرائط،مراتب اور مآخذ کو بھی ذکر کیا،جس کی ایک اپنی تفصیل ہے(ترتیب المدارک، ج ا، ص ۸۸، مذهب مالک، الفصل الثانی)

اور امام شافعی رحمہ اللہ کے آثار میں یہ بات کثرت کے ساتھ منقول ہے،آپ فرماتے ہیں کہ امام مالک میرے استاذ ہیں،اور میں نے ان سے علم حاصل کیا،اور میں ان کے علاوہ کسی اور پر بھروسہ نہیں کرتا،اور جب حدیث واثر اور علماء کے بارے میں بات کی جائے،تو امام مالک رحمہ اللہ ''نجم''یعنی چمکتے ہوئے ستارے کی مانند ہیں،اور اگر کبھی آپ کو کسی حدیث کے بعض اجزاء پر شک ہوجاتا،تو پوری حدیث چھوڑ دیتے تھے۔

اس لئے کہ حدیث رسول ہو،تو اس کی تصحیح وتضعیف،رجال کی معرفت اور جرح وتعدیل کے تمام اسباب کا جاننا،اور پھر اس کی تصحیح کے بعد احکام کا استنباط،ان کی تفریع،اختلاف کی صورت میں ترجیح وتطبیق،پھر واجب وسنت ومستحب وغیرہ کی تعیین ایک غیر معمولی کام تھا۔

جو امام مالک رحمہ اللہ نے قولی،عملی اور تحریری صورت میں پیش کیا،جس کے نتائج سے دنیا مستفید ہوئی۔امام مالک رحمہ اللہ کی موطأ ہو،یا ان کے شاگرد عبدالرحمٰن بن قاسم(المتوفی:191ھ)کی

---

[1] بنی مذهبه على أدلة عشرين: خمسة من القرآن، وخمسة مماثلة لها مؤ السنة، وهی نص الكتاب، وظاهره وهو العموم، ودليله وهو مفهوم المخالفة، ومفهومه: وهو مفهوم الموافقة، وتنبيهه وهو التنبيه على العلة، كقوله تعالى: فإنه رجس، أو فسقاً (الانعام 145) فهذه عشرة.والبقية هی: الإجماع، والقياس، وعمل أهل المدينة، وقول الصحابی، والاستحسان، والحكم بسد الذرائع، ومراعاة الخلاف، فقد كان يراعيه أحياناً، والاستصحاب، والمصالح المرسلة، وشرع من قبلنا. وأهم ما اشتهر به: العمل بالسنة، وعمل أهل المدينة، والمصالح المرسلة، وقول الصحابی إذا صح سنده، والاستحسان (الفقه الاسلامی و أدلتهٔ، ج ا، ص ۴۶، تحت العنوان: مقدمات، مقدمات ضرورية عن الفقه، المطلب الثانی، المذهب: مالک بن أنس. الفواكه الدوانی علی رسالة ابن أبی زيد القيروانی، ج ا، ص ۲۳، مقدمة الكتاب)

www.idaraghufran.org

امام مالک کے ملفوظاتِ فقہیہ وعلمیہ پرمبنی کتاب''المدونۃُ الکبریٰ'' یہ سب اس پر شاہد ہیں کہ آپ کے علم وفضل کے بارے میں غلوومبالغہ سے کام نہیں لیا گیا، بلکہ یہ ان کی للّٰہیت کا ثمرہ ہے۔

مالکی طریقہ استدلال

جیسا کہ یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ نے اپنی فقہ میں اہلِ مدینہ کے عمل اور خاص طور پر مدینہ کے فقہائے سبعہ کو بڑا مرجع ومآ خذ قرار دیا ہے، چنانچہ آپ نے مدینہ کے فقہائے سبعہ سے فقہ کی تعلیم حاصل کی ،اوران کے علاوہ دوسرے فقہائے سے بھی علمی استفادہ کیا،ان سے مروی احادیث کو یاد کیا، جس کے بعد آپ اپنے شاگردوں کواحادیثِ رسول ﷺ کی تعلیم دیا کرتے تھے،اورمشرق ومغرب میں سے جوبھی آپ سے فتویٰ حاصل کرتا،تو جو کچھ آپ نے سنا ہوتا،اس کے مطابق جواب دیتے تھے،اوراگرکبھی اس کے مطابق جواب نہ دیتے پاتے،تواس کے مشابہ بات، اور نظائر سے جواب دیتے تھے، اور اگر اپنے حاصل کیے ہوئے علم، یاد کی ہوئی احادیث،فقہائے سبعہ سے سنی بات میں سے کسی میں نظیر نہ ملتی،تواجتہاد کرتے تھے،اور کتابُ اللہ اورسنتِ رسولُ اللہ سے حکم نکالتے،نصوص کے مضامین اورمفاہیم سے استدلال کرتے،کوئی اشارہ تلاش کرتے، یانصوص میں موازنہ کرتے ،اورقیاس کواپنے استنباطِ احکام میں نص کا خادم رکھتے،اور نص کا مصداق تلاش کرتے۔اگرفتویٰ دینے میں کوئی مصلحت پاتے، جوشارع کی نص میں موجود نہیں ہے،تو مصلحتِ عامہ کوپیشِ نظر رکھ کرفتویٰ دیتے،اس لیے کہ''مصالِح مرسلہ'' یعنی مصلحتِ عامہ کا تقاضا،اس فقہ مالکی میں اصل اورمستقل دلیلِ شرعی ہے۔ (جاری ہے............)

www.idaraghufran.org

تذکرۂ اولیاء حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ (قسط74) مولانا محمد ریحان

اولیاءِ کرام اور سلف صالحین کے نصیحت آموز واقعات وحالات اور ہدایات وتعلیمات کا سلسلہ

عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ریاستی گورنروں کی تقرری (قسط1)

ریاست صرف ایک شخص کے بل بوتے پر نہیں چلا کرتی، بلکہ جہاں ایک حاکم ریاستی امور کی دیکھ بھال کرتا ہے، تو وہیں ان ریاستی امور میں سے عوام کے معاملات دوسرے علاقوں میں کچھ اشخاص اس حاکم کی نمائندگی کرتے ہوئے سنبھالتے ہیں۔ اگر یہ اشخاص قائدانہ صلاحیتوں کے مالک نہ ہوں، تو انہی کے ہاتھوں لوگوں کی بدحالی اور بربادی کی قسمت لکھی جاتی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دور اس وجہ سے بھی قابلِ دید وتقلید ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے ریاست میں گورنروں کی تقرری اور تعین کا طریقہ وہی اپنایا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا۔ آپ نے کبھی صرف رشتہ داری کی بنیاد پر اپنے کسی قریبی عزیز کو کسی عہدہ ومنصب سے نہیں نوازا۔ بلکہ آپ رضی اللہ عنہ نے ہمیشہ اس کی صلاحیت، قابلیت، ورع وتقویٰ، لوگوں کے حالات سے آگاہی کی بنیاد پر ہی کسی شخص کو گورنری کے عہدہ پر مامور کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ کبھی بھی ایسے شخص کو گورنر اور والی منتخب نہ کرتے تھے، جو اس عہدہ کا طالب ہو۔ آپ رضی اللہ عنہ سمجھتے تھے کہ صحیح والی وگورنر کا انتخاب امانت کے زمرے میں آتا ہے، آپ رضی اللہ عنہ کے نزدیک اگر کسی ایسے شخص کو چنا جائے کہ جس سے بہتر کوئی اور موجود ہو، تو گویا کہ اس امانت میں اللہ اور اس کے رسول اور عوام سے خیانت کرنا ہے۔ [1]

اسی وجہ سے آپ رضی اللہ کے نزدیک کسی بھی گورنر کے انتخاب سے پہلے اس میں ان چیزوں کا پایا جانا ضروری ہوتا تھا۔

طاقت اور ایمان داری:

آپ رضی اللہ عنہ کسی بھی گورنر میں طاقت مندی، قوت، بہادری کو اہمیت دیتے تھے۔ اسی وجہ سے

---

[1] وكان يرى أن اختيار الولاة من باب أداء الأمانات، بحيث يجب عليه أن يعين على كل عمل أصلح من يجده، فإن عدل عن الأصلح إلى غيره مع عدم وجود ما يبرر ذلك، يكون قد خان الله، ورسوله والمؤمنين(فصل الخطاب فی سیرة ابن الخطاب ص ۳۲۰ الفصل الخامس،المبحث الثانی)

www.idaraghufran.org

شرحبیل بن حسنہ کو آپ رضی اللہ عنہ نے معزول کر کے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو گورنر منتخب کیا۔ اس پر شرحبیل نے آپ رضی اللہ عنہ سے استفسار کیا کہ کیا کسی ناراضگی کی وجہ سے مجھے معزول کیا ہے اے امیر المؤمنین! اس پر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نہیں! میں جس طرح پسند کرتا تھا تم ویسے ہی ہوں، لیکن میں زیادہ قوی اور طاقت ور شخص کو گورنر بنانا چاہتا تھا۔ [1]

علم کی حیثیت:

کسی بھی والی وگورنر کا صاحبِ علم ہونا بہت ضروری ہے۔ جب تک گورنر کو شرعی معاملات کا علم نہ ہو، تو وہ ریاستی امور کو شرعی نہج پر لے کر نہیں چل سکتا۔ دوسرا معاملہ فہمی، صاحبِ خطاب وکتاب ہونا بھی علم کے اندر ہی داخل ہے۔

آپ رضی اللہ عنہ نے علم کے معاملہ میں بھی سنتِ رسول کا ہی اتباع کیا، اور ہمیشہ ایسے شخص کو گورنری کے عہدہ پر مامور کیا کہ صاحبِ علم وعمل ہو۔ [2]

معاملہ فہمی:

معاملہ فہمی سے مراد یہ ہے کہ دوسروں کے ساتھ بات چیت کرنے اور ان کی بات کے مفاہیم سمجھنے، ان کی مطالب کو مختلف زاویوں سے دیکھنے اور پرکھنے اور اس کے مطابق معاملہ کو انجام تک پہنچانے کی صلاحیت کا ہونا ہے۔ کسی بھی والی وگورنر میں یہ ہونا اس لیے بھی ضروری ہے کہ اگر وہ دوسروں کے معاملات، ان کی گفتگو، ان کے انداز کو نہ سمجھے گا، تو کئی لوگ اسے اس کے سیدھے پن کی وجہ سے اس کو مختلف طریقے سے استعمال کرنے کی کوشش کریں گے۔

---

[1] وقد طبق الفاروق رضی الله عنه هذه القاعدة، ورجّح الأقوى من الرجال على القوى، فقد عزل عمر شرحبيل بن حسنة وعين بدله معاوية .فقال له شرحبيل: أعن سخطة عزلتني يا أمير المؤمنين؟ قال: لا إنك لكما أحب ولكني أريد رجلاً أقوى من رجل، ومن أجمل ما أثر عن عمر في هذا المعنى قوله: اللهم إني أشكو إليك جلد الفاجر، وعجز الثقة(فصل الخطاب في سيرة ابن الخطاب ص ۳۲۰ الفصل الخامس،المبحث الثاني)

[2] وقد جرى عمر الفاروق على سنة رسول الله صلى الله عله وسلم في تولية أمراء الجيوش خاصة .قال الطبري: إن أمير المؤمنين، كان إذا اجتمع إليه جيش من أهل الإيمان، أمّر عليهم رجلاً من أهل الفقه والعلم(فصل الخطاب في سيرة ابن الخطاب ص ۳۲۱ الفصل الخامس،المبحث الثاني)

www.idaraghufran.org

آپ رضی اللہ عنہ نے بسا اوقات کئی ایسے لوگوں کو چھوڑ دیا کہ جو تقویٰ، ورع، اور اخلاقی اعتبار سے زیادہ عالی تھے، مگر معاملہ فہمی میں ان کی مہارت دوسروں کے مقابلہ میں کم تھی۔ [1]

عوام کی عادات وطبائع کا لحاظ:

آپ رضی اللہ عنہ گورنروں کی تقرری کے پیشِ نظر علاقہ کے لوگوں کی خصوصیات، ان کی طبیعت وعادت اور وہاں کے عرف کو مدِنظر رکھتے تھے۔ اسی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ کسی دیہاتی کو شہریوں پر اور کسی شہری کو دیہاتیوں پر گورنر نہ بناتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کا یہ اقدام بالکل عین فطرتِ انسانی کے مطابق تھا، کیونکہ دیہاتیوں اور شہریوں کے مابین ان کی عادت، طبیعت، اور عرف ورواج میں بہت فرق ہوتا ہے، کوئی چیز دیہات میں نیکی تصور کی جاتی ہے، مگر شہر میں اس کو برائی سمجھا جاتا ہے، اسی عرف ورواج کے تفاوت کی وجہ سے بسا اوقات کسی شہری کو دیہاتی کے اور کسی دیہاتی کو شہری کے سمجھنے میں غلطی ہوجاتی ہے۔ معاشرے میں امن اور لوگوں کو بہتر طریقے سے سمجھنے سمجھانے کے لیے آپ رضی اللہ عنہ نے یہ اصول بنایا۔ [2]

---

[1] كان عمر بن الخطاب يستعمل قوماً، ويدع أفضل منهم لبصرهم بالعمل، والتفضيل هنا إنما يعني أن أولئك الذين تركهم عمر، كانوا أفضل ديناً، وأكثر ورعاً، وأكرم أخلاقاً، ولكن خبرتهم في تصريف الأمور أقل من غيرهم فليس من الضروري أن يجتمع الأمران كلاهما معاً، وهذه القاعدة التي وضعها عمر، ما زالت متبعة حتى اليوم، في أرقى الدول، ذلك بأن المتدين الورع الخلوق، إذا لم تكن له بصيرة في شؤون الحكم، قد يكون عرضة لخديعة أصحاب الأهواء والمضللين، أما المحنَّك المجرَّب، فإنه يعرف من النظرة السريعة، معاني الألفاظ،وما وراء معاني الألفاظ وهذا السبب نفسه هو الذي دعا عمر بن الخطاب أيضاً لاستبعاد رجل لا يعرف الشر، فلقد سأل عن رجل أراد أن يوليه عملاً فقيل له: يا أمير المؤمنين: إنه لا يعرف الشر .فقال عمر لمخاطبه: ويحك ذلك أدنى أن يقع فيه، وهذا لا يعني أن يكون العامل غير متصف بالقوة والأمانة والعلم والكفاية وغيرها من الصفات التي يستلزمها منطق الإدارة والحكم، وإنما يقع التفاضل بين هذه الصفات، ويكون الرجحان لما سمّاه عمر بن الخطاب: البصر بالعمل(فصل الخطاب في سيرة ابن الخطاب ص ۳۲۱ الفصل الخامس،المبحث الثاني)

[2] وكان عمر ينظر، حين تعيينه أحد عماله، إلى بعض الخصائص والطباع والعادات والأعراف، فلقد عُرف أنه كان ينهى عن استعمال رجل من أهل الوبر على أهل المدر، وأهل الوبر هم ساكنوا الخيام، وأهل المدر هم ساكنوا المدن وهذه نظرة اجتماعية سلوكية في آن معاً، في اختيار الموظفين، فلكل من أهل الوبر والمدر طبائع وخصائص وأخلاق وعادات وأعراف مختلفة، ومن الطبيعي أن يكون الوالي عارفاً بنفسية الرعية، وليس من العدل أن يتولى أمرها رجلٌ جاهل بها، فقد يرى العُرف نُكراً وقد يرى الطبيعي غريباً، فيؤدي ذلك إلى غير ما يتوخاه المجتمع من أهداف يسعى إلى تحقيقها.

www.idaraghufran.org

پیارے بچو! مولانا محمد ریحان

کھیل کھیل میں فٹ بال

پیارے بچو! پیارے بچو! ایک بچہ تھا، جس کا نام احمد تھا۔ احمد ایک اچھا بچہ تھا۔ اس کی طبیعت اور مزاج بہت اچھا تھا۔ وہ دوسروں کے ساتھ اچھا سلوک کرتا، اور اچھے طریقے سے دوسروں کے ساتھ پیش آتا تھا۔ وہ اسکول میں پڑھا کرتا تھا۔ اس کے اسکول میں کچھ اچھے اور نیک دوست بھی تھے۔ ایک دن وہ اپنے اسکول کے دوستوں کے ساتھ سکول کے گراؤنڈ میں فٹ بال کھیل رہا تھا۔ احمد نے دیکھا کہ کونے میں ایک لڑکا کھڑا ہوا ہے اور انہیں کھیلتا دیکھ رہا ہے۔ احمد کو اس بات کا علم تھا کہ وہ لڑکا ان کی کلاس میں نیا ہے۔

احمد یہ کہتے ہوئے سوچنے لگا:

''وہ کچھ غمگین لگ رہا ہے''

احمد نے یہ سب کچھ محسوس کرلیا جبکہ اس کے دوستوں نے اس بات کو محسوس تک نہ کیا۔ اسامہ نے کہا ''یہ نیا طالب علم کتنی بڑائی جتانے والا ہے!''

اور حمزہ نے کہا ''صحیح کہا، یہ تو کلاس کے کسی بھی لڑکے سے بات کرنے کو تیار نہیں'' پھر ایک ایک کر کے سارے طالب علموں نے اس سے ناواقفی کا اظہار کیا۔

احمد گھر آ گیا اور گھر میں وہ اس غم بھرے منظر کو بھلا نہ پا رہا تھا جو اس نے نئے طالب علم کے چہرے پر دیکھا تھا۔ اور احمد نے اس بات کی خبر اپنے والد اور اپنے بڑے بھائی کو کر دی۔ احمد کے والد نے اس سے پوچھا ''آپ اس بچے کے قریب کیوں نہ گئے اور اس کو خوش آمدید کیوں نہ کہا؟ مجھے تو اس بات کا یقین ہے کہ وہ اپنے آپ کو تنہا محسوس کر رہا ہوگا۔'' احمد کے بڑے بھائی محمد نے اپنے والد کو کہا ''صحیح کہا آپ نے ابا جان! میں تو اب تک اس دن کو یاد کرتا ہوں جب ہم اس نئے محلے میں آئے تھے، اور میں اپنے آپ کو کتنا تنہا محسوس کر رہا تھا۔''

احمد نے اپنے بڑے بھائی سے کہا ''لیکن اب تو آپ کے بہت سارے اچھے اور نیک دوست ہیں

www.idaraghufran.org

آپ نے ان کی دوستی کیسے حاصل کی؟''احمد کواس کے بڑے بھائی نے کہا:''ایک دن میں اسکول گیااوراپنے ساتھ اچھی اچھی کہانیوں کی کتاب لے گیا، پھر کلاس میں کسی بھی طالب علم کی یہ ہمت نہ ہوئی کہ وہ ہمارے آڑے آئے،اور ایک ایک کر کے سارے طالب علم ہمارے ارد گرد جمع ہو گئے،اوراس طرح وہ سب میرے دوست بن گئے۔''

احمد نے کہا:''آپ تو پسندیدہ اورخوش نما ہو بھائی! آپ نے تو بہت ہی کم وقت میں اتنے سارے اچھےاور نیک دوست بنا لئے۔''احمد کواس کے بڑے بھائی نے ہاتھ میں پکڑے سیب کودانتوں سے کاٹتے ہوئے، جواب دیا''اس کا انحصار تو اس بات پر ہے کہ آپ ان سے کیسے بات کرتے ہو، ہمت کرواور بغیر ہچکچائے اس سے بات کرو۔''

احمد کے والد نے اس سے کہا:''میں بچپن میں آپ کے بھائی جیسا ذہین نہیں تھا، کچھ دن میں بھی اکیلا رہااور میرا کوئی دوست نہیں تھا،اور میں اتنی ہمت بھی نہ کرسکتا تھا کہ بچوں میں سے کسی کے پاس جاؤں اور جا کر دوستی کا ہاتھ بڑھاؤں،اور ایک بچہ نے میرے ساتھ مہربانی کا معاملہ کیا اور میرے پاس آیااور مجھے کہا کہ خوش آمدید۔اسی طرح آہستہ آہستہ نیک اوراچھے بچے میرے دوست بڑھتے گئے۔''

احمد کے بڑے بھائی محمد نے دوبارہ سے احمد کونصیحت کی اور کہا:''اسی طرح آپ کے لیے پہلا قدم اٹھانا ضروری ہےاور بغیر دیر کئے اپنے نئے دوست کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاؤ۔''اگلے ہی دن احمد نے اسی لڑکے کودیکھا کہ وہ ان کے نزدیک کھڑاہوا انہیں دیکھ رہاہے،تو احمد نے زور سے کہا:''خوش آمدید! میں احمد ہوں''۔یہ سن کراس لڑکے نے بھی زور سے پکارا:''آپ کو بھی، میں محمود ہے''۔احمد نے محمود کوفٹ بال پاس کیااوراسے بھی اپنے کھیل میں شامل کرلیا۔

پیارے بچو! یہ بہت اچھی عادت ہے کہ آپ کسی نئے آنے والے بچے کا استقبال کریں تا کہ وہ بھی آپ کی جماعت کا ایک حصہ بن جائے۔آپ بھی یہ بات بخوبی جانتے ہوں گے کہ کبھی کبھار آپ اس طرح کی حالت میں ہوتے ہوں گے تو ہمت سے کام لیتے ہوئے دوسروں سے محبت والے سلوک سے پیش آئیں۔

www.idaraghufran.org

بزمِ خواتین (عورت کا تقدس اور حقوق نسواں کا فریب: قسط62) مفتی طلحہ مدثر

امامت اور جماعت میں خواتین کے اختیارات (دسواں حصہ)

معزز خواتین! خواتین کی امامت وجماعت کی اجازت کے بارے میں تابعین وتبع تابعین کے اقوال کا ایک حصہ پہلے بیان ہوا، اسی سلسلے کے مزید اقوال ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت ابنِ جریج کا اثر

حضرت امام عبدالرزاق رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ: تَؤُمُّ الْمَرْأَةُ النِّسَاءَ مِنْ غَيْرِ أَنْ تَخْرُجَ أَمَامَهُنَّ، وَلٰكِنْ تُحَاذِيَ بِهِنَّ فِي الْمَكْتُوبَةِ، وَالتَّطَوُّعِ قُلْتُ: وَإِنْ كَثُرْنَ حَتّٰى يَكُنَّ صَفَّيْنِ أَوْ أَكْثَرَ؟ قَالَ: وَأَنْ تَقُوْمَ وَسَطَهُنَّ (مصنف عبد الرزاق، رقم الحديث ٥٠٨٠، كتاب الصلاة ، باب المرأة تؤم النساء)

ترجمہ: حضرت ابنِ جریج رحمہ اللہ نے فرمایا کہ عورت عورتوں کی فرض اور غیر فرض نماز میں امامت کرسکتی ہے، لیکن اُن کے آگے نکل کر کھڑی نہ ہو، بلکہ اُن کے ساتھ کھڑی ہوگی، میں نے کہا کہ اگرچہ وہ عورتیں زیادہ ہوں، یہاں تک کہ دو یا زیادہ صفیں ہوں؟ تو ابنِ جریج نے فرمایا کہ (تب بھی) ان کے درمیان ہی کھڑی ہوگی (عبدالرزاق)

ابنِ جریج بھی جلیل القدر محدث ہیں، جنہوں نے مکہ مکرّمہ میں سب سے پہلے علمِ حدیث کی تدوین فرمائی، نیز ابن جریج کے اس اثر سے معلوم ہوا، کہ اگر خواتین زیادہ تعداد میں ہوں، یہاں تک کہ دو یا اس سے زیادہ صفیں بنانے کی ضرورت پیش آجائے، تو بھی خاتون امام ان کے درمیان میں ہی کھڑی ہوگی، اور خواتین کے زیادہ تعداد میں ہونے سے مسئلہ کی نوعیت میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

www.idaraghufran.org

حضرت عکرمہ اور معمر کا اثر

حضرت امام عبدالرزاق رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ مَعْمَرٍ قَالَ: تَؤُمُّ الْمَرْأَةُ النِّسَاءَ فِيْ رَمَضَانَ وَتَقُوْمُ مَعَهُنَّ فِي الصَّفِّ قَالَ مَعْمَرٌ : وَأَخْبَرَنِيْ مَنْ سَمِعَ عِكْرِمَةَ يَقُوْلُ مِثْلَ ذٰلِكَ (مصنف عبد الرزاق، رقم الحديث ۵۰۸۵، كتاب الصلاة ، باب المرأة تؤم النساء)

ترجمہ: حضرت معمر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ عورت عورتوں کی رمضان میں امامت کرسکتی ہے، اور وہ اُن کے ساتھ صف میں کھڑی ہوگی، حضرت معمر نے فرمایا کہ مجھے اس شخص نے خبر دی جس نے حضرت عکرمہ سے سُنا کہ انہوں نے بھی اسی طرح فرمایا (عبدالرزاق)

حضرت معمر بھی جلیلُ القدر محدث اور حضرت قتادہ اور زہری جیسے جلیلُ القدر محدثین کے شاگرد ہیں۔

ازواجِ مطہرات ودیگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے بیان کردہ واقعات وروایات اور تابعین ومحدثین کے آثار واقوال سے خواتین کے لیے خواتین کی امام کرانے کا جائز ہونا معلوم ہوا، جن میں سے بعض روایات میں نفل اور بعض میں فرض نماز کی امامت کی بھی وضاحت اور صراحت پائی جاتی ہے، البتہ تمام روایات میں یہ بات قدرے مشترک طور پر موجود ہے، کہ ایسی صورت میں خاتون امام، مرد امام کی طرح باقی نمازی خواتین سے آگے نہیں، بلکہ ان کے درمیان میں کھڑی ہوگی۔

خواتین کی امامت سے متعلق کراہت کی روایات

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے، کہ بعض ان روایات کا بھی جائزہ لے لیا جائے، جن سے بظاہر خواتین کی امامت مکروہ ہونا معلوم ہوتا ہے، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ : لَا تَؤُمُّ الْمَرْأَةُ (مصنف ابنِ ابی شيبة، رقم الحديث ۴۹۹۴، كتاب الصلاة، باب من كره أن تؤم المرأة النساء)

ترجمہ: عورت امامت نہیں کرے گی (ابنِ ابی شیبہ)

www.idaraghufran.org

یہ روایت بہت محتمل ہے، جس میں صرف یہ ہے، کہ عورت امامت نہیں کرے گی، یا عورت امامت نہیں کرسکتی، اس روایت میں یہ تفصیل اور وضاحت مذکور نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقصود کیا ہے؟ آیا عورت کو عورتوں کی امامت سے منع فرمانا ہے، یا مَردوں کی امامت سے منع فرمانا ہے، یا یہ منع فرمانا عام ہے، اور پھر یہ منع فرمانا کس درجہ کا ہے، آیا کراہتِ تحریمی کے درجہ کا یا کراہتِ تنزیہی کے درجہ کا یا حرام کے درجہ کا ہے، جبکہ اس کے برعکس وضاحت کے ساتھ خواتین کی امامت کرانے کی روایات مذکور ہوچکی ہیں، لہٰذا صرف مذکورہ مبہم روایت کی بنا پر خواتین کی امامت کو ناجائز نہیں کہا جاسکتا۔

حضرت ابنِ عون سے روایت ہے کہ:

كَتَبْتُ إِلٰى نَافِعٍ أَسْأَلُهُ ، أَتَؤُمُّ الْمَرْأَةُ النِّسَاءَ ؟ فَقَالَ : لاَ أَعْلَمُ الْمَرْأَةَ تَؤُمُّ النِّسَاءَ (مصنف ابنِ ابی شیبة،رقم الحديث ۴۹۹۵، كتاب الصلاة، باب من كره أن تؤم المرأة النساء)

ترجمہ: میں نے حضرت نافع کی طرف یہ سوال لکھ کر بھیجا کہ کیا عورت، عورتوں کی امامت کرسکتی ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ میرے علم میں عورت کا عورتوں کی امامت کرنا نہیں ہے (ابنِ ابی شیبہ)

حضرت نافع دراصل حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام اور شاگرد اور جلیل القدر تابعی تھے، اس روایت میں حضرت نافع حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ یا کسی دوسرے صحابی کی بات نقل نہیں فرمائی، بلکہ اپنے بارے میں لاعلمی کا اظہار کیا ہے، اور لاعلمی کا اظہار اور ناجائز یا مکروہ ہونے کا حکم لگانا الگ الگ معاملہ ہے، جہاں تک یہ اشکال ہے، کہ حضرت نافع رحمہ اللہ جیسے صاحبِ علم سے یہ بات کیسے مخفی رہ سکتی ہے، تو اس کا جواب یہ ہے، کہ خواتین کی جماعت کا جائز ہونا خواتین کی جماعت کے رواج ہونے سے بالکل مختلف چیز ہے، ہم نے جو واقعات بیان کیے ہیں، ان سے یہ سمجھنا درست نہیں کہ خواتین کی جماعت کا پہلے زمانے میں ایسا رواج تھا، جیسا کہ مردوں کی جماعت کا ہے، اسی لیے بعض اہلِ علم سے اس حکم کا مخفی رہنا تعجب کی بات نہیں ہے۔ (جاری ہے)

وہ پانچ گناہ جواللہ کےعذاب وناراضگی اورطاعون جیسی بیماریوں کاسبب بنتے ہیں

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف متوجہ ہوئے، اورفرمایا کہ اے جماعتِ مہاجرین! پانچ چیزوں میں جب تم مبتلا ہو جاؤ اور میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں،اس سے کہ تم ان چیزوں میں مبتلا ہو،اول یہ کہ جس قوم میں فحش (وبے حیائی کے کام) کھلے عام ہونے لگتے ہیں،تو اس میں طاعون اورایسی ایسی بیماریاں پھیل جاتی ہیں، جوان سے پہلےلوگوں میں نہ تھیں۔اور جوقوم ناپ تول میں کمی کرتی ہے ،تو وہ قحط مصائب اورحکمرانوں کےظلم وستم میں مبتلا کردی جاتی ہے۔

اور جب کوئی قوم اپنے اموال کی زکاۃ نہیں دیتی ،تو بارش روک دی جاتی ہے، اور اگر چوپائے (وجانور) نہ ہوتے ،توان پر بارش ہی نہ برستی۔

اور جوقوم اللہ اوراس کےرسول کے عہد کوتوڑتی ہے،تو اللہ، غیروں کوان پرمسلط فرما دیتاہے، جواس قوم سےعداوت رکھتے ہیں، پھر وہ ان کےاموال چھین لیتے ہیں۔

اور جب مسلمان حکمران، کتابُ اللہ کےمطابق فیصلےنہیں کرتے، بلکہ اللہ کےنازل کردہ نظام میں (مرضی کے کچھ احکام) اختیار کرلیتے ہیں (اور باقی چھوڑ دیتے ہیں) تواللہ اس قوم کو(خانہ جنگی اور) باہمی اختلافات میں مبتلافرمادیتاہے۔

(سنن ابن ماجه، حديث 4019، بو اب الفتن، باب العقوبات)

www.idaraghufran.org

شراب وزنا اور جہالت کی کثرت قیامت کی نشانیوں میں سے ہے

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يُرْفَعَ الْعِلْمُ، وَيَكْثُرَ الْجَهْلُ، وَيَكْثُرَ الزِّنَا، وَيَكْثُرَ شُرْبُ الْخَمْرِ، وَيَقِلَّ الرِّجَالُ، وَيَكْثُرَ النِّسَاءُ حَتّٰى يَكُوْنَ لِخَمْسِيْنَ امْرَأَةً اَلْقَيِّمُ الْوَاحِدُ.

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت کی علامتوں سے یہ بھی ہے کہ علم اُٹھالیا جائے گا، اور جہالت (اور لاعلمی) کی کثرت ہوگی، اور زنا کی کثرت ہوگی، اور خمر (وشراب) پینے کی کثرت ہوگی، اور مَردوں کی قلت ہوگی، اور عورتوں کی کثرت ہوگی، یہاں تک کہ پچاس عورتوں کا کفیل (وسہارا) ایک مرد ہوگا (بخاری، حدیث 5231، کتاب النکاح)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قیامت سے پہلے، زنا اور خمر وشراب عام ہوجائے گی، اور آج نعوذ باللہ تعالیٰ دنیا بھر میں اس فعلِ بد کی کمی نہیں۔ کفار کے معاشرہ میں تو اس کا سخت بازار گرم ہے، جہاں باہمی رضامندی سے اس کو قانونی طور پر سندِ جواز بھی پیش کردی گئی ہے، اور ہم جنس پرستی کی شکل میں بھی حیوانی طریقوں کو اختیار کرنے میں کوئی عیب نہیں سمجھا جاتا، جس کے اثرات مسلم معاشرہ میں بھی پھیلنا شروع ہوگئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سے حفاظت فرمائے۔ آمین۔

www.idaraghufran.org

توکل علی اللہ کے نتیجہ میں رزق کی فراوانی

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَوْ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَوَكَّلُونَ عَلَى اللَّهِ حَقَّ تَوَكُّلِهِ لَرُزِقْتُمْ كَمَا يُرْزَقُ الطَّيْرُ تَغْدُو خِمَاصًا وَتَرُوحُ بِطَانًا (سنن الترمذی، رقم الحدیث 2344، باب فی التوکل علی اللّٰہ)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم اللہ پر ایسا توکل کرلو، جیسا کہ اس پر توکل کرنے کا حق ہے، تو تمہیں اس طرح رزق دیا جائے، جس طرح پرندوں کو رزق دیا جاتا ہے کہ وہ صبح کو بھوک کی حالت میں جاتے ہیں، اور شام کو پیٹ بھر کر واپس لوٹتے ہیں (ترمذی)

مطلب یہ ہے کہ پرندے اپنی طرف سے تدبیر کرتے ہیں، اور ان کی تدبیر ایسی نہیں ہوتی، جس میں غلو وانہماک ہو، اگر بندے بھی توکل علی اللہ کی صفت کو اختیار کریں، انہیں بھی اللہ تعالیٰ اسی طرح سے رزق عطا فرمائے۔

توکل علی اللہ، اور جائز تدبیر کے بعد بندے کو اپنے معاملے کے نتائج اللہ کے حوالے کردینا چاہئے، اور اللہ کی طرف سے جو بھی نتیجہ نکلے، اس کو تسلیم کرنا چاہئے، اور اس کو تقدیر کا معاملہ سمجھنا چاہئے۔

www.idaraghufran.org

انسان کا رزق، عمر اور اس کا عمل اس کی پیدائش سے پہلے لکھ دیا جاتا ہے

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

حَـدَّثَـنَـا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوقُ " إِنَّ أَحَدَكُمْ يُجْمَعُ خَلْقُهُ فِي بَطْنِ أُمِّهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا، ثُمَّ يَكُونُ فِي ذَلِكَ عَـلَـقَةً مِثْـلَ ذَلِكَ، ثُمَّ يَكُونُ فِي ذَلِكَ مُضْغَةً مِثْلَ ذَلِكَ، ثُمَّ يُرْسَلُ الْـمَـلَكُ فَيَـنْـفُـخُ فِيـهِ الرُّوحَ، وَيُؤْمَرُ بِأَرْبَعِ كَلِمَاتٍ :بِـكَتْبِ رِزْقِهِ، وَأَجَلِهِ، وَعَمَلِهِ، وَشَقِيٌّ أَوْ سَعِيدٌ.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، جو کہ صادق اور مصدوق ہیں، ہمیں فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک کی پیدائش ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک پوری کی جاتی ہے (یعنی وہ چالیس دن تک نطفہ کی شکل میں رہتا ہے) پھر اتنے ہی دنوں تک جمے ہوئے خون کی شکل میں رہتا ہے، پھر اتنے ہی دنوں تک گوشت کے لوتھڑے کی شکل میں رہتا ہے، پھر اللہ، ایک فرشتہ کو بھیجتا ہے، جو اس میں روح ڈالتا ہے، اور چار کلمات کو لکھنے کا حکم دیا جاتا ہے، اس کے رزق کو، اس کی عمر کو، اور اس کے عمل کو، اور اس کے بد بخت یا نیک بخت ہونے کو (مسلم)

(مسلم، حدیث 2643 "1"، کتاب القدر)

www.idaraghufran.org

آپ کے دینی مسائل کا حل ادارہ

تکفیر بازی ومغالطاتِ سلفی کا جائزہ (قسط3)

سلفی صاحب نے مجلّہ ’’حق چاریار، لاہور کے شمارہ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۴ھ، دسمبر 2022ء‘‘ میں صفحہ نمبر۲۵ سے صفحہ نمبر۴۹ تک شائع ہونے والے اپنے مضمون کی تیسری قسط میں مندرجہ ذیل سرخیاں قائم کی ہیں:

(1)تکفیرِ رفض پر مولانا عبدالماجد دریابادی مرحوم کے شبہات اور حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے جوابات (صفحہ نمبر۲۵)

(2)مولانا عبدالماجد دریابادی کا تتمہ سوالات اور حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کا جواب (صفحہ نمبر۳۸)

(3)تکفیرِ رفض پر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ کا درج کردہ ایک اصول (صفحہ نمبر۳۹)

(4)مفتی کم ادراک ومعذور کا ارشاد (صفحہ نمبر۴۰)

(5)جوابی تبصرہ (محدثین کے نزدیک لفظِ شیعہ کا مفہوم) (صفحہ نمبر۴۱)

(6)پسِ نوشت (صفحہ نمبر۴۴)

سلفی صاحب نے پہلی اور دوسری سرخی کے ذیل میں بنیادی طور پر حضرت تھانوی، اور مولانا دریابادی کے مابین شیعہ کے متعلق ہونے والی مکاتبت کو نقل کیا ہے، جس میں سب سے اہم علمی خیانت، یہ ہے کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی ’’امداد الفتاویٰ‘‘ کی جتنی عبارت، سلفی صاحب نے نقل کی ہے، وہاں امداد الفتاویٰ میں قائم شدہ سرخی ’’رفعِ شبہات بر تکفیرِ شیعہ‘‘ اور سوال نمبر ۵۹۹، کے جواب کی تکمیل نہیں ہوئی، بلکہ اس کے بعد خود حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے ۱۸ شعبان ۱۳۵۱ھ کو ’’تشریح الجواب ‘‘ کے عنوان سے جو اپنے جواب کی تشریح، اور اس باب میں تحقیقِ خاص فرمائی، جو کہ امداد الفتاویٰ کی جلد نمبر۴، صفحہ ۵۸۸، و ۵۸۹ میں موجود ہے، اور اس کی حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے ’’النور‘‘ ص ۹، ربیع الاول ۱۳۵۲ھ میں بھی اشاعت فرمائی تھی، اور اس تشریح کو حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے بھی ’’وصول الافکار الیٰ اصول الأکفار ‘‘ میں اپنے اس

www.idaraghufran.org

مضمون کے بعد نقل کیا ہے، اس کو سلفی صاحب نے نقل ہی نہیں کیا، حالانکہ سلفی صاحب نے، حضرت مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ کے اسی مضمون کے ایک اقتباس کو اپنے مضمون کی تیسری سرخی کے ضمن میں نقل کیا ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی یہ تشریح آگے آتی ہے۔

پھر سلفی صاحب نے حضرت تھانوی اور مولانا عبدالماجد دریابادی کی اس مکاتبت کے درمیان میں جگہ جگہ اپنی طرف سے تشریح کی پیوندکاری کی ہے، جو حضرت تھانوی اور مولانا عبدالماجد دریابادی کی تصریحات ہی کے خلاف ہے۔

اور سلفی صاحب نے اس تشریح کے ضمن میں حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ کی طرف منسوب ''فتاویٰ مفتی محمود'' کی تیسری جلد کے **کتابُ الجنائز** کا ایک فتویٰ قائدِ اعظم محمد علی جناح مرحوم کی نمازِ جنازہ کے متعلق نقل کیا ہے، جس پر سلفی صاحب نے حاشیہ نگاری بھی کی ہے۔

اور اسی ضمن میں سلفی صاحب نے تحریفِ قرآن سے متعلق ''تحفۂ اثنا عشریہ'' کی ایک عبارت، اور اس کے بعد حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب رحمہ اللہ کے حوالہ سے علامہ ابنِ حزم کی عبارت روافض کے تحریفِ قرآن کے عقیدہ کی وجہ سے مسلمان نہ ہونے کی ذکر کی ہے۔ ساتھ ساتھ سلفی صاحب نے ہمارے خلاف اپنی عادت کے مطابق الزام تراشیوں کا بھی ارتکاب کیا ہے۔

اور سلفی صاحب نے اپنے مضمون کی تیسری سرخی کے ضمن میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کے رسالہ ''**وصول الافکار الی اصول الأکفار**'' میں شیعہ سے متعلق مذکور تفصیل میں سے ایک صورت کو درج کر کے اپنی سابقہ علمی خیانت کا ارتکاب کیا ہے۔

مفتی صاحب رحمہ اللہ کے شیعہ سے متعلق اس مکمل مضمون کو ہم پہلے نقل کر چکے ہیں۔

اور سلفی صاحب نے اپنے مضمون کی چوتھی سرخی کے ضمن میں، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کے فتوے پر ''مغفل'' غلاف، چڑھانے کا الزام دیتے ہوئے، ہمارے ایک اقتباس کو نقل کیا ہے۔ اور سلفی صاحب نے اپنے مضمون کی پانچویں سرخی کے ضمن میں، مختلف الزامات واتہامات قائم کرنے کے بعد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب رحمہ اللہ کی ''**ارشادُ الشعیة**'' کا ایک حوالہ نقل کیا ہے، جس میں علامہ ابنِ حجر رحمہ اللہ کی ''**تہذیبُ التہذیب**'' کی ایک عبارت نقل کی گئی ہے، اور اس میں ''**تہذیبُ التہذیب**'' کی عبارت کا

www.idaraghufran.org

اہم حصہ،متروک ہے،جس سے نتیجہ کچھ اور ہی برآمد ہوتا ہے۔

پھر سلفی صاحب نے اسی پانچویں سرخ کے ضمن میں''دکتور ناصر بن عبداللہ بن علی القفاری'' کی تالیف''اصول المذھب الشیعۃ الامامیۃ ''کا ایک اقتباس نقل کیا ہے،اس میں بھی کتر بیونت سے کام لیا گیا ہے۔اور پھر سلفی صاحب نے''مصادرِ علمی''یا''شواہداتِ عالم'' کے تناظر میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ جنہیں''اثنا عشری رافضی'' کہا جاتا ہے،دراصل وہی''امامیہ'' کہلاتے ہیں،اور''امامیہ واثنا عشریہ'' میں فرق کو مضحکہ خیز قرار دیا ہے۔

پھر ہمارے ماہنامہ''التبلیغ''میں شائع ہونے والے مضمون''تکفیر بازی ومغالطاتِ سلفی'' پر مفصل تبصرہ قلمبند کرنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے،جس کے لیے بحمداللہ تعالیٰ ہم پہلے سے تیار ہیں،اور اس سے ہمیں ہرگز کوئی پریشانی لاحق نہیں۔

آنے والی سطور میں ہم ان شاءاللہ تعالیٰ،سلفی صاحب کے بیان کردہ ان نکات پر تفصیلی کلام کریں گے،اور سلفی صاحب نے جو درمیان میں مختلف اکابر اور ان کی تحریرات کو تقابلی انداز میں ذکر کیا ہے،اس پر بھی روشنی ڈالیں گے۔

البتہ مجلّہ''التبلیغ'' کے صفحات محدود ہونے کی وجہ سے ہم نے درمیان سے کچھ مضامین وعبارات کو حذف کردیا ہے،جن کو ان شاءاللہ تعالیٰ کتابی شکل میں اشاعت کی صورت میں شائع کیا جائے گا۔

حضرت تھانوی،اور عبدالماجد دریابادی کی مکاتبت کا قضیہ

سلفی صاحب نے اپنے مندرجہ بالا مضمون میں سب سے پہلے حضرت تھانوی،اور مولانا عبدالماجد دریابادی کی ایک مکاتبت ناقص طور پر نقل کی ہے،جس کے ضمن میں اپنی طرف سے رطب ویابس ہرقسم کی لمبی چوڑی ترجمانی وتشریح کرکے اپنے مضمون کو خوب چمکانے کی کوشش کی ہے،اس تشریح وترجمانی میں انہوں نے سابق حضرات کو بھی پیچھے چھوڑ دیا۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے تو یہ امر ملحوظ رہنا ضروری ہے کہ مولانا عبدالماجد دریابادی،جو لکھنو شہر کے قریب کے باشندے تھے،اور لکھنوٴ بھی بکثرت آمدورفت رہتی تھی،جس کی وجہ سے لکھنو گویا کہ ان کا دوسرا وطن تھا،جہاں سے ان کی ادارت میں ہفتہ وار''سچ'' بھی نکلتا تھا،مولانا دریابادی ،دراصل پہلے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے حکم سے،حضرت مولانا سید حسین احمد

مدنی رحمہ اللہ سے بیعت ہوئے تھے،لیکن بعد میں اصلاحی تعلق حضرت تھانوی رحمہ اللہ سے قائم فرمایا،جوآخر تک قائم رہا،اورساتھ ہی حضرت مدنی رحمہ اللہ سے بھی تعلق وابستہ رہا،اس سلسلہ میں حضرت مدنی رحمہ اللہ کا،مولانا دریابادی کے نام ایک مکتوب ملاحظہ فرمائیں۔

محترم المقام زید مجدکم،السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

والا نامہ محررہ 16،اکتوبر باعثِ سرفرازی ہوا تھا،اب تو جناب خانقاہ (امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون،دیارِتھانوی) میں پہنچ گئے ہوں گے،خداوندِ کریم وہاں کی حاضری باعثِ برکاتِ متناہیہ کرے،آمین۔

چو با حبیب نشینی و بادہ پیمائی بیاد آر محبانِ بادہ پیارا

مجھ کوقوی امید ہے کہ آنجناب وہاں پر اپنے اوقات کو مشاغلِ حقیقیہ میں صَرف فرمائیں گے،جن کے متعلق ہدایت کرنے کی ضرورت نہیں۔

البتہ ایک ضروری عرض محض اخلاص کی بناء پر کرتا ہوں،اورامیدوار ہوں کہ کسی غیر محمل پر حمل نہ فرمائیں،میں نے حسب الارشاد حضرت مولانا (اشرف علی تھانوی) دامت برکاتہم اورآپ حضرات کے اصرار پر اُس وقت بیعت کرلیا تھا،مگر حقیقت یہ ہے کہ میں اپنی بدحالی،رُوسیاہی،ناکامی پر نہایت درجہ گریہ کناں ہوں اورسخت شرمندہ،اللہ تعالیٰ نے آپ کو(مولانا اشرف علی تھانوی) دامت برکاتہم کے دربار میں پہنچا دیا ہے،اور مولانا کوآپ سے اورآپ کومولانا سے اُنس اورتعلق پیدا ہوگیا ہے،**وللّٰہ الحمد ، اللّٰھم زِد فزِد**۔اب مناسب اورضروری ہے کہ آپ مولانا (تھانوی) سے بیعت بھی کرلیں،مجھے قوی اُمید ہے کہ مولانا دامت برکاتہم آپ کو نہ ٹالیں گے،میں نے خود اُن دنوں جب حاضر ہوا تھا،یہی عرض کیا تھا کہ آپ جب تشریف لائیں اور درخواست کریں،تو جناب اِن کوضرور بیعت کرلیں،قواعدِ طریقت کے اصول پر بیعت کرلینا ہی زیادہ تر مفید اورکارآمد ہے،اسی کی بناء پر فیض کی زیادہ تر امید ہے۔

مجھ رُوسیاہ کوبھی کبھی کبھی دعواتِ صالحہ سے یادفرمالیا کریں،نیز مولانا دامت برکاتہم سے

www.idaraghufran.org

بھی دُعا کی التجاء کردیا کریں۔ننگِ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ دیوبند،20جمادی الاول 1348ہجری(حکیم الامت نقوش وتاثرات''ص۸۷،مطبوعہ:مکتبہ مدنیہ،لاہور)

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے 7اور 14شعبان 1351ہجری میں مولانا عبدالماجد دریابادی کی طرف سے مولانا عبدالشکور لکھنوی کے فتوے پر شیعوں کے متعلق پیش کیے گئے، چند شبہات کا جواب تحریر فرمایا، جس کو سلفی صاحب نے اپنے مضمون میں نقل کیا ہے، لیکن اس کے صرف چار دن بعد ہی حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے 18شعبان 1351ہجری کو اس جواب کی تشریح اور تحقیقِ خاص کرتے ہوئے ایک جامع مضمون تحریر فرمایا، جو ''امدادالفتاویٰ'' میں مندرجہ بالا مکاتبت کے متصل بعد موجود ہے، وہ مضمون درجِ ذیل ہے:

جواب بالا مع اپنے کل اجزاء کے درجہ منع میں ہے، یعنی فتویٰ مذکورہ پر جو شبہات تھے، ان کا جواب ہے۔ جواب بالا خود فتویٰ نہیں ہے، چونکہ سرسری نظر میں اس کو فتویٰ سمجھا جا سکتا تھا، اس لئے تسہیلِ امر کے لئے اپنی تحقیقِ خاص اس باب میں معروض ہے، اور یہ تحقیق باعتبار اپنی حقیقت کے فقہ اور کلام ہی میں داخل ہے، مگر باعتبار صورت کے اس کو تصوف سے خاص قرب ومناسبت ہے، اس لئے عنوان میں اس کا لحاظ رکھا گیا۔

وہ تحقیق یہ ہے کہ اگر کسی خاص شخص کے متعلق، یا کِسی خاص جماعت کے متعلق حکم بالکفر میں تردد ہو، خواہ تردد کے اسباب، علماء کا اختلاف ہو، خواہ قرائن کا تعارض ہو، یا اصول کا غموض ہو، تو اسلم یہ ہے کہ نہ کفر کا حکم کیا جاوے، نہ اسلام کا۔

حکمِ اول میں تو خود اس کے معاملات کے اعتبار سے بے احتیاطی ہے، اور حکمِ ثانی میں دوسرے مسلمانوں کے معاملات کے اعتبار سے بے احتیاطی ہے، پس احکام میں دونوں احتیاطوں کو جمع کیا جائے گا، یعنی نہ اس سے عقدِ مناکحت کی اجازت دیں گے، نہ اس کی اقتداء کریں گے، نہ اس کا ذبیحہ کھائیں گے، اور نہ اس پر سیاستِ کافرانہ جاری کریں گے، اگر تحقیق کی قدرت ہو، اس کے عقائد کی تفتیش کریں گے، اور اس تفتیش کے بعد جو ثابت ہو، ویسے احکام جاری کریں گے، اور اگر تحقیق کی قدرت نہ ہو، تو سکوت کریں گے، اور اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کریں گے۔

www.idaraghufran.org

اس کی نظیر وہ حکم ہے، جو اہلِ کتاب کی مشتبہ روایات کے متعلق حدیث میں وارد ہے۔

لا تصدقوا اهل الكتاب ولاتكذبوهم وقولوا :آمنّا باللّٰه وما انزل إلينا. الآية رواه البخاری.

دوسری فقہی نظیر، احکام خنثیٰ کے ہیں:

يوخذ فيه بالاحوط والاوثق فی امور الدين وان لا يحكم بثبوت حكم وقع الشک فی ثبوته، وإذا وقف خلف الإمام قام بين صف الرجال والنساء ويصلی بقناع ويجلس فی صلاته جلوس المراة ويكره له فی حياته لبس الحلی، والحرير. وان يخلو به غير محرم من رجل اوامراة اويسافر مع غير محرم من الرجال والاناث، ولم يغسله رجل ولا امراة ويتيمّم بالصعيد ويكفن كما تكفن الجارية. وامثالها مما فصله الفقهاء .

18 شعبان 1351ھ (النورص 9 ربیع الاول 1352ھ) (امداد الفتاوی، ج۴، ص۵۸۸و۵۸۹، مسائلِ شتی، بعد کتاب الفرائض، بعنوان: رفع شبہات بر تکفیر شیعہ، مطبوعہ: مکتبہ دار العلوم کراچی، سنِ طباعت: جولائی 2010ء)

حضرت تھانوی کی اپنے ساتھ مکاتبت کو مولانا دریابادی نے ’’حکیم الامت نقوش وتاثرات‘‘ میں بھی نقل کیا ہے، جس کے بعد مولانا عبدالماجد دریابادی لکھتے ہیں:

’’پچھلے والا نامہ کو آئے ہوئے ابھی ایک ہفتہ بھی پورا نہ ہوا ہوگا کہ ۲۱ دسمبر کو (۱۹ دسمبر کا چلا ہوا) والا نامہ موصول ہوگیا: ایک مضمون جواب معہود کے متعلق اور ذہن میں آیا، بس میرا اصلی مذاق یہ ہے۔ازالۂ غلط فہمی کے لئے بڑھایا گیا ہے، اطلاع کے لئے آپ کی خدمت میں بھی لکھنے کو دل چاہا (پھر اس کے بعد مندرجہ بالا اسی تشریح اور تحقیقِ خاص کو نقل کیا گیا، جو 18 شعبان 1351 ہجری کو حضرت تھانوی نے تحریر فرمائی تھی)

(ملاحظہ ہو: حکیم الامت نقوش وتاثرات‘‘ ۲۴۲ و۲۴۳، مقالات متعلقہ ۱۹۳۲ء، مطبوعہ: مکتبہ مدنیہ، لاہور)

اور اس موقع پر مولانا دریابادی نے اپنے ایک مکتوب میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کو یہ بھی لکھا تھا کہ:

’’جناب کا تو ایک خاص مسلک ’’انزاوا وعزلت‘‘ کا ہے، مجھے زیادہ فکر وحیرانی دوسرے

www.idaraghufran.org

علماء سے متعلق ہے، خصوصًا حضرات فرنگی محل، اور جمعیۃ العلماء، اور سب سے بڑھ کر خود اپنے مولانا کے متعلق، ان حضرات کا شیعوں کا ساتھ سیاسی جلسوں میں برابر رہا کرتا ہے، یہ شیعہ رئیسوں کی مہمان داری قبول کرتے ہیں، ان کے ہاں ٹھہرتے ہیں، شیعہ اکابر کو جلسوں کا صدر بناتے ہیں (چند روز ہی قبل لکھنؤ میں آل پارٹیز مسلم کانفرنس کے جلسے بہت دھوم دھام سے ہوئے تھے، ان میں سنی علماء، نہ صرف شیعہ ممبروں کے ساتھ شیر وشکر تھے، بلکہ متعدد علمائے کرام، مشہور شیعی رئیس راجہ احمد علی خان ''سلیم پور'' کے برابر مہمان رہا کئے) غرض سارا خلا ملا بالکل مسلمانوں کا سا، فتویٰ تکفیر کے ساتھ، ان اعمال کا تطابق میری سمجھ سے باہر ہے''۔

جس کا حضرت تھانوی نے درجِ ذیل جواب تحریر فرمایا تھا:

''ایسے برتاوے میں تو میں بھی مبتلاء ہوں، میں اگر کہیں نہیں جاتا، سو وہ تو میرے پاس آتے ہیں، میں بھی برتاؤ مسلمانوں جیسا کرتا ہوں، صرف اس بناء پر کہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں، اور حقیقت اس برتاؤ کی محض خوش اخلاقی ہے (حکیم الامت نقوش وتاثرات'' ص۲۴۴، مقالہ نمبر ۱۹۳۲ء کے مقالات، مطبوعہ: مکتبہ مدنیہ، لاہور)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے سابقہ مکاتبت کے صرف چار دن بعد ہی اس کی مذکورہ تشریح اور تحقیقِ خاص اپنے قلم سے تحریر فرمادی تھی، اور مولانا دریابادی کو بھی ارسال فرمادی تھی۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی یہ تشریح وتحقیقِ خاص وہی ہے، جو حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ ''وصول الافکار الٰی اصول الأکفار'' میں رمضان المبارک 1351ھ کو ''جبکہ النور میں اس کی اشاعت بھی نہ ہو پائی تھی'' اہلِ تشیع سے متعلق، اپنا تفصیلی موقف لکھنے کے بعد اس کی تائید میں نقل کی ہے۔

اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کے مذکورہ رسالہ کو حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے ملاحظہ فرما کر اس کی تصویب بھی فرمائی تھی۔ اور امداد الفتاویٰ کی مذکورہ ترتیب حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کی طرف سے قائم ہوئی ہے۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی مذکورہ بالا تشریح وتحقیقِ خاص مورخہ 18 شعبان 1351ھ کی تحریر کردہ

ہے، جس میں اس مکاتبت کی تشریح وتوضیح ہے، جو اس سے پہلے مولانا عبدالشکور لکھنوی صاحب کے موقف سے متعلق، مولانا دریابادی سے ہوئی تھی۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی اس مندرجہ بالا تشریح وتوضیح اور تحقیقِ خاص سے درجِ ذیل امور واضح طور پر معلوم ہوتے ہیں:

(1)...... حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا سابقہ جواب، اپنے اُن تمام اجزاء سمیت، جو اس مکاتبت میں شبہ اور جواب کی شکل میں تھے، وہ ''درجۂ منع'' میں تھے، یعنی مولانا عبدالشکور لکھنوی کے فتوے پر جو شبہات تھے، ان کا جواب تھا، اور یہ حضرت تھانوی کا فتویٰ نہیں تھا۔

لہٰذا اس مکاتبت، یا اس کے اجزاء کو حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا فتویٰ سمجھنا، درست نہیں۔

اصحابِ علم ''درجۂ منع'' سے واقف ہیں کہ وہ ''تسلیم'' کے مقابلہ میں آتا ہے، اور بسا اوقات اس طرح کا ''درجۂ منع'' علمائے مناظرہ کے قواعد پر مبنی ہوا کرتا ہے، جس میں علمی مباحث کے دوران الزاماً ''کفر'' کا وقوع ہوجایا کرتا ہے، جو ''التزامِ کفر'' کو مستلزم نہیں ہوتا۔ [1]

چنانچہ ''الدرُّ المختار'' میں ہے:

لا نكفر أحدا من أهل القبلة إن وقع إلزاما في المباحث (الدر المختار مع ردالمحتار، ج۳ص ۴۵، كتاب النكاح، فصل في المحرمات)

ترجمہ: ہم اہلِ قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہیں کرتے، اگرچہ اُن فرقوں کی بحث کرتے وقت کفر کا الزام کیوں نہ واقع ہوا ہو (الدرالمختار)

علامہ ابنِ عابدین شامی رحمہ اللہ نے ''ردُّ المحتار'' میں، علامہ حصکفی کی مذکورہ عبارت کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ:

وقوله :وإن وقع إلزاما في المباحث معناه، وإن وقع التصريح بكفر

[1] فهذا جواب على سبيل المنع، ثم أجاب بطريق التسليم (البناية شرح الهداية، ج۷، ص ۴۱۹، كتاب الشركة، أداء الزكاة من مال الشريكين)

الشيخ رحمه الله ذكر هذا الكلام على سبيل المنع لما قاله الشافعي بعدما أجاب عنه (كشف الأسرار عن أصول فخر الإسلام البزدوي، ج۳، ص ۳۶۲، باب شروط الإجماع)

تقديم المنع على التسليم جريا على قواعد علماء المناظرة (رد المحتار على الدر المختار، ج ۱، ص ۴۴۳، كتاب الصلاة)

www.idaraghufran.org

المعتزلة ونحوهم عند البحث معهم في رد مذهبهم بأنه كفر أي يلزم من قولهم بكذا الكفر، ولا يقتضي ذلك كفرهم؛ لأن لازم المذهب ليس بمذهبهم وأيضا فإنهم ما قالوا ذلك إلا لشبهة دليل شرعي على زعمهم، وإن أخطئوا فيه(ردالمحتار، ج۳ص ۴۵،۴۶، کتاب النکاح)

ترجمہ: اور یہ فرمانا کہ ''اگرچہ اُن کے متعلق مباحث کے موقع پر، کفر کا الزام کیوں نہ واقع ہو'' اس کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ معتزلہ اوران جیسے فرقوں کے مذہب کی تردید کرتے وقت، اُن کے کفر کی تصریح واقع ہوئی ہو کہ یہ کفر ہے (تب بھی ان کی تکفیر نہ کی جائے گی) کیونکہ اس کی مراد یہ ہے کہ ان کے اس طرح کے قول سے کفر لازم آ جاتا ہے، لیکن یہ بات ان کے کافر ہونے کا تقاضا نہیں کرتی، کیونکہ ''مذہب کا لازم، ان کا مذہب نہیں کہلاتا'' نیز اُن کا یہ قول، ان کے گمان کے مطابق، صرف شرعی دلیل کے شبہ کی وجہ سے واقع ہوا ہے، اگرچہ وہ اس میں خطاء کار ہیں (ردُّ المحتار)

(2)...... حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی مولانا دریابادی سے مکاتبت میں تحریر کیے جانے والے جوابات کو سرسری نظر میں فتویٰ سمجھا جاسکتا تھا، اس لیے اس امر کو سہل بنانے اور غلط فہمی کے ازالہ کے لیے حضرت تھانوی نے اس سلسلہ میں اپنی تحقیق خاص تحریر فرمائی۔

اور جب حضرت تھانوی نے اس پورے قضیہ کی وضاحت فرمادی، تو آج پھر اس کو حضرت تھانوی کا فتویٰ سمجھنا، اور قرار دینا، اور اس غلط فہمی کے ازالہ کے لیے حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی بعد میں بیان کردہ تحقیقِ خاص کو نظر انداز کرنا، کیسے درست ہوسکتا ہے؟

(3)...... حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی یہ تحقیقِ خاص، اپنی حقیقت کے اعتبار سے ''فقہ اور کلام'' میں داخل ہے۔

لہٰذا ''فقہ اور کلام'' کے اعتبار سے یہی تحقیق قابلِ اعتبار ہے۔

یہ ملحوظ رہنا ضروری ہے کہ حضرت تھانوی اور مولانا دریابادی کی مکاتبت کو مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی کی طرف سے ''النجم'' کے شمارہ 8 ذوالقعدہ 1352 ہجری کے شمارہ میں مخصوص انداز میں شائع کیا گیا تھا، اس میں صرف پہلی مکاتبت کو شائع کیا گیا، اور حضرت تھانوی کی اس کے بعد کی

تشریح وتحقیقِ خاص کو شائع نہیں کیا گیا۔ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب رحمہ اللہ نے بھی اپنے مضمون متفقہ فیصلہ میں اس کو شائع نہیں فرمایا۔ ''النجم'' میں اس کی مخصوص طریقہ سے اشاعت سے بعض غلط فہمیاں پیدا ہوئیں، جس طرح حضرت تھانوی کی اس توضیح کو اس وقت ''النجم'' میں شائع نہیں کیا گیا، اسی طرح سلفی صاحب نے بھی اپنے مضمون میں اس کا ذکر تک نہیں کیا، کیونکہ وہ سب ان کے مقصود، اوران کی لمبی چوڑی تشریح وترجمانی کے سراسر خلاف تھا۔

(4)...... حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے اس تشریح وتحقیقِ خاص میں اثناعشریہ وغیرہ کی قید لگائے بغیر، اصولی حکم بیان فرمایا ہے۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے خلیفۂ خاص اور ترجمان نے بھی ''وصول الافکار الٰی اصول الأکفار'' میں اس سے یہی مراد لیا، اسی وجہ سے اہلِ تشیع کا تفصیلی حکم بیان کرنے کے بعد اس تحریر کو آخر میں درج کیا، اور اس کی حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے تصویب بھی فرمائی، جس میں اس بات کی وضاحت ہے کہ روافض واہلِ تشیع میں بہت سے مختلف العقائد فرقے ہیں، اور ہر فرقہ کے عقائد کو جدا جدا منضبط کرنا بھی دشوار ہے۔

اور مذکورہ فتوے میں اصولی طور پر تفضیلی وزیدی شیعوں کے عقیدہ کا بھی ذکر ہے، اور غالی وغیر غالی رافضیوں کے مختلف عقائد کا بھی ذکر ہے۔ اور مذکورہ فتوے میں یہ بھی تصریح ہے کہ ہندوستان میں عوام روافض کے متعلق یہ فیصلہ بھی دشوار ہے کہ وہ کس فرقہ میں درج ہیں۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کے ''وصول الافکار الٰی اصول الأکفار'' کی یہ تفصیلی عبارت، حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی تحقیقِ خاص سمیت، ہم پہلے نقل کر چکے ہیں۔

پھر جب حضرت تھانوی اور مولانا عبدالماجد دریابادی کی مکاتبت کے پہلے حصہ کی ''النجم'' کے شمارہ 8، ذوالقعدہ 1352 ہجری میں مخصوص انداز میں اشاعت ہوئی، اور اس سے مختلف غلط فہمیاں پیدا ہوئیں، تو اس کے فوراً بعد حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے ''تنبیہِ ضروری'' کے عنوان سے 11 ذیقعدہ 1352ھ کو ایک تحریر لکھی تھی، جیسا آگے آتا ہے۔

مولانا عبدالشکور لکھنوی کے اخبار ''النجم'' میں مذکورہ اشاعت کے بعد حضرت تھانوی اور مولانا عبدالماجد دریابادی کی مزید مکاتبت ہوئی، اس کو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

www.idaraghufran.org

مولانا عبدالماجد دریابادی صاحب لکھتے ہیں کہ:

کئی نمبر قبل تکفیرِ شیعہ کے باب میں حضرت (تھانوی) سے مراسلت درج ہو چکی ہے، میرے حلق سے یہ تکفیر علی الاطلاق کسی طرح نہیں اتر رہی تھی۔ حضرت مولانا (تھانوی) بھی کوئی کھلا ہوا فتویٰ کفرِ شیعہ کے حق میں نہیں دے رہے تھے، البتہ میرے شبہات رَد فرمارہے تھے۔ مولانا (اشرف علی تھانوی) کی یہ تحریریں رسالہ ''النور'' میں چھپ گئیں، رسالہ کی اشاعت بہت ہی محدود تھی، مخصوص اہلِ خانقاہ کے سوا کوئی اسے جانتا ہی نہ تھا (مولانا عبدالشکور لکھنوی کے رسالہ) ''النجم'' کو ایک نعمتِ خداداد ہاتھ آ گئی، کئی کالم کی شہ سرخی اور کئی کئی جلی سرخیاں دے کر مضمون کو خوب چمکایا، اور گویا، یہ ظاہر کیا کہ علامہ تھانوی جیسے محتاط محقق بھی تکفیرِ شیعہ ہی کے حق میں ہیں۔

صحافتی پروپیگنڈہ کو اس سے کیا بحث تھی کہ مولانا خود اس کی تصریح فرماچکے تھے کہ ان کی وہ تحریریں مستقل فتویٰ کا حکم نہیں رکھتیں، صرف مسائل متشکک کے سوالات پر بطورِ منع کے ہیں۔ بہرحال آب وتاب سے وہ ''حکیم الامت کا فتویٰ'' نکلا، اور جس نسبت سے اس کی اخباری اشاعت ہوئی، اسی نسبت سے اپنی ناگواری بڑھتی رہی، شخصاً بھی اور مفادِ ملت کے لحاظ سے بھی، جھنجھلاہٹ اس پر بھی کہ اگر اس بحث کو پبلک میں چھیڑنا خلافِ مصلحت نہ جانتا، تو آخر ''سچ'' ہی میں کیوں نہ چھیڑ دیتا۔

اس پسِ منظر کو سامنے رکھ کر اب 24 فروری کا عریضہ (اور اس پر حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کا جواب) ملاحظہ ہو:

(**مولانا عبدالماجد دریابادی**) تازہ ''النجم'' (لکھنؤ کا اس زمانے کا ایک ہفت روزہ، جس کا مقصد ''ردِ شیعہ'' تھا) کا ایک ورق مرسلِ خدمت ہے، میں جناب والا کی خدمت میں جو معروضات پیش کرتا رہتا ہوں، ان کی حیثیت بالکل خانگی ہوتی ہے، جیسے مریض صرف طبیب ہی کے سامنے پوری طرح کھلتا ہے، دوسروں کو سنانا، اسے مقصود نہیں ہوتا۔

(**مولانا اشرف علی تھانوی**) اس کو معلوم کر کے میں خجل (یعنی شرمندہ) ہوا، مجھ کو عام طور پر اس کا احساس نہیں ہوا، میں آپ کی تحریرات کی دو قسمیں سمجھتا تھا،

www.idaraghufran.org

ایک تو وہی جو آپ نے تحریر فرمائی ہے، اس کے ساتھ تو یہی طرزِ عمل تھا، دوسرے علمی مضامین، اس کو عام سمجھتا تھا، جیسے اتباعِ شیخ کا مضمون تھا، میں اس کو اسی قسم میں سے سمجھا، اب ان شاءاللہ زیادہ احتیاط کروں گا۔

(مولانا عبدالماجد دریابادی) ''النجم'' نے جس صورت کے ساتھ اس کی اشاعت کی، اس سے مجھے تکلیف ہی ہوئی۔

(مولانا اشرف علی تھانوی) میں نے دوروز قبل دیکھا، مجھ کو بھی گرانی ہوئی، اس کے بعد آپ کی تکلیف معلوم کر کے اور زیادہ گرانی ہوئی، یہ تو میری تکلیف میں کماً زیادتی ہوئی کہ دو گرانی مجتمع ہوگئیں، ایک زیادتی کیفاً ہوئی، کیونکہ آپ کی تو صرف یہی مصلحت فوت ہوئی کہ آپ پر یہ شبہ ہوگا کہ اپنے اکابر کی تحقیق میں تردد ہوا، مگر یہ واقع میں نقص نہیں، بلکہ کمالِ احتیاط اور غیر جانب داری ہے، اور میری مصلحت بہت بڑی فوت ہوئی کہ عام ناظرین، میرے مضمون کو جو کہ فتویٰ نہیں، فتویٰ سمجھیں گے۔

(مولانا عبدالماجد دریابادی) یہاں تک مضائقہ نہ تھا کہ صرف جناب کا جواب یہ لکھ کر شائع کر دیتا کہ ایک سائل کے شبہات کے جواب میں یہ لکھا گیا، لیکن موجودہ صورت کے ساتھ شائع کرنا، تو خود ''النجم'' کے مقاصد کے لیے مضر ہوا، شیعہ جماعت کم از کم یہ کہہ کر فائدہ اٹھائے گی کہ خود اہلِ سنت، اس باب میں مختلف ہیں، اور مجھ عامی کا نام سند میں بطورِ عالم کے پیش کریں گے۔

اپنے خیال کی اشاعت ہی مجھے منظور ہوتی، تو میں ''سچ'' ہی میں کیوں نہ کرتا، اب تک تو میرا طریقہ یہ رہا ہے کہ جن مسائل میں میرا قلب اپنے اکابر کے مسلک سے پوری طرح متفق نہیں، ان کا ذکر بھی ''سچ'' میں نہیں کرتا، بلکہ لوگ سوال کرتے ہیں، جب بھی صاف جواب نہیں دیتا، بہرحال اب یہ تیر تو کمان سے نکل ہی چکا۔

(مولانا اشرف علی تھانوی) ''تیر جستہ باز گرداند زراہ'' کے متعلق بھی ایک مشورہ پشت پر مرقوم ہے۔ [1]

---

[1] مولانا روم کے اس شعر کی طرف اشارہ ہے کہ:

اولیارا ہست قدرت از الہ۔ تیر جستہ باز آرندش راہ

www.idaraghufran.org

(**مولانا عبدالماجد دریابادی**) البتہ آئندہ کے لیے بہ ادب درخواست ہے کہ میری جتنی بھی گزارشیں ہوا کریں، انہیں جناب والا اپنی ذات تک محدود کیا کریں، ورنہ لوگ خدا معلوم، کیا کیا معنیٰ لیا کریں گے۔

(**مولانا اشرف علی تھانوی**) ''بہ سروچشم''لیکن اس عموم میں ایسے مضامین بھی آجائیں گے، جن کی شان مضمون، اتباعِ شیخ جیسی ہوگی، اس کا کیا معیار ہوگا، اس کی دوصورتیں ہوسکتی ہیں، یا تو آپ خود فرمادیا کریں کہ یہ مضمون عام ہے، یا میں پوچھ لیا کروں، جو طریقہ قلب پر خفیف ہو، بے تکلف فرمادیں، ہاں ترجمۂ قرآن کے متعلق جو سوالات آئیں، ان کو عام سمجھوں، یا خاص۔

اضافہ بر جواب خط

میں نے اس خط کا اسی طرح اپنے جواب کا ایک حرف بھی کسی کو نہیں دکھلایا۔

مشورہ موعودہ صفحہ اول

میں نے ایک مضمون بغرضِ تدارک احتمال، غلط فہمی ناظرین، اخبار''النجم'' لکھا ہے، بعد ملاحظہ اگر مشورہ ہو، شائع کردیا جائے، پھر کہاں شائع ہو''النجم'' میں بھیج دوں یا''سچ'' میں، یا''النور'' میں۔اس کی نقل بھی یہاں نہیں رکھی ہے، شاید کسی کی نظر پڑ جاوے، اب تو میں ڈر گیا''مار گزیدہ از ریسمان می ترسد''

اب اس کے آگے حضرت(حکیم الامت رحمہ اللہ)کا وہ مضمون موعود ملاحظہ ہو:

تنبیہ ضروری

میں نے ایک مضمون، جو ایک مفتی صاحب کے ایک فتویٰ، بابت''اسلام یا عدمِ اسلام، اہلِ تشیع'' پر بعض شبہات کا جواب تھا، ۸ ذیقعدہ ۵۲ھ، مطابق 23 فروری 34ء کے اخبار''النجم'' میں دیکھا، جو رسالہ''النور'' سے نقل کیا گیا ہے۔اشاعت کا تو میں مخالف نہیں، کیونکہ رسالہ مذکور میں اس سے پہلے، میری مرضی سے شائع ہو چکا ہے۔

لیکن اخبار میں اس کی اشاعت مجھ کو پسند نہیں آئی، کیونکہ رسالہ کے اکثر ناظرین، اہلِ علم و اہلِ فہم ہوتے ہیں، اور اخبار کے اکثر ناظرین کم علم و کم فہم ہوتے ہیں، جن میں

حدود سے متجاوز ہونے کا احتمال قریب ہوتا ہے۔اس احتمال کے سبب احتیاطاً اِس مضمون کی اور اُسی مضمون کی اخیر سرخی سے نقل کرنا مصلحت معلوم ہوتا ہے کہ:

وہ مضمون، میرا کوئی فتویٰ نہیں، بلکہ اصل صاحبِ فتویٰ کے جواب پر جو شبہات تھے، درجۂ منع میں ان کا جواب ہے، یعنی بر تقدیر ثبوتِ مقدمات، ایک طالب علمانہ بحث ہے، فتویٰ نہیں ہے۔ باقی اس فتویٰ کے اور بناءِ فتویٰ کے ذمہ دار، خود صاحبِ فتویٰ ہیں، مجھ کو ان مباحث پر تبحر نہیں ہے۔اسی طرح صاحبِ شبہات نے اس مسئلہ میں کوئی رائے قائم نہیں کی، صرف بعض تر ددات، فتویٰ کے متعلق ظاہر کیے ہیں۔لہٰذا ناظرین کسی خاص خیال کو میری طرف، یا صاحبِ شبہات کی طرف منسوب نہ فرمادیں۔وہ نسبت غلط ہوگی۔والسلام۔۱۱ ذیقعدہ ۵۲ھ، اشرف علی، تھانہ بھون۔

اس چھوٹے سے بیان نے مولانا کی طرف سے تو بہترین صفائی پیش کر ہی دی، ساتھ ہی خود میری، یعنی سائل کی حیثیت کی کتنی اچھی ترجمانی کردی، اور حضرت نے ''النجم'' کے اس اقدام کو جس ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا، وہ تو بالکل ظاہر ہے (حکیم الامت نقوش وتاثرات'' ص۳۱۷ تا ۳۲۰، مقالہ نمبر ۶۳، ۱۹۳۴ء کے مقالہ جات 'بعنوان ''تنبیہ ضروری'' مطبوعہ: مکتبہ مدنیہ، لاہور)

اس کے بعد مولانا عبدالماجد دریابادی لکھتے ہیں:

النجم کی ان پھڑکتی ہوئی سرخیوں کا اثر قدرتاً یہ نکلا کہ اُدھر سے شیعوں نے جوابی مضمون لکھا، اور اس میں خود حضرت کی تکفیر کی (اس پر مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا کہ) میرا ارادہ ''النجم'' کو بند کردینے کا ہے، یعنی یہاں نہ آوے، اس سے دوسرے پرچہ میں اپنے متعلق شیعہ کی طرف سے تکفیر کا فتویٰ دیکھا (النجم کے) ان صاحبوں نے اپنے اغراض کے لئے میرا علمی مضمون شائع کرکے خواہ مخواہ گالیاں دلوائیں (حکیم الامت نقوش وتاثرات'' ص۳۲۰ تا ۳۲۱، مقالہ نمبر ۶۳'' ۱۹۳۴ء کے مقالہ جات، مطبوعہ: مکتبہ مدنیہ، لاہور)

حضرت تھانوی اور مولانا دریابادی کی مندرجہ بالا تحریرات سے درج ذیل امور معلوم ہوئے۔

www.idaraghufran.org

(1)......حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے کفرِ شیعہ کے متعلق کھلا ہوا کوئی فتویٰ صادر نہیں فرمایا تھا، البتہ مولانا عبدالماجد دریابادی کے شبہات کا رَد فرمایا تھا۔

لہٰذا سلفی صاحب کا اس کو فتوے کے طور پر خوب چمکا کر اپنے مضمون میں چھاپنا علمی خیانت ہے۔

(2)......''النجم'' میں اس مکاتبت پر کئی کئی کالم میں جلی سرخیاں دے کر اس مضمون کو چمکایا گیا تھا، اور یہ ظاہر کیا گیا تھا کہ حضرت تھانوی جیسے محتاط محقق بھی تکفیرِ شیعہ ہی کے حق میں ہیں، لیکن اس چیز کو نظر انداز کر دیا گیا تھا کہ حضرت تھانوی خود اس کی تصریح فرما چکے تھے کہ ان کی وہ تحریریں مستقل فتویٰ کا حکم نہیں رکھتیں، صرف مسائلِ متشکک کے، سوالات پر بطور مَنع کے ہیں۔

اور اس طرح کے مسائلِ متشکک کے سوالات پر بطورِ منع کے جو جوابات ہوتے ہیں، اُن کا حکم حتمی نہیں ہوا کرتا۔ [1]

اگر سلفی صاحب کو اس طرح کے علمی امور کا بھی ادراک وشعور نہیں، تو وہ کون سا منصفانہ تجزیہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

(3)......''النجم'' نے جس صورت کے ساتھ اس کی اشاعت کی تھی، اس سے مولانا دریابادی کو تکلیف ہوئی تھی، اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ کو بھی بہت زیادہ گرانی ہوئی تھی، جس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ عام ناظرین، حضرت تھانوی کے مضمون کو فتویٰ سمجھنے کی غلط فہمی میں مبتلا ہوں گے، حالانکہ وہ فتویٰ نہیں تھا۔

اس غلط فہمی میں سلفی صاحب بھی، اپنے قارئین کو مبتلا کرنا چاہتے ہیں۔

(4)......مولانا عبدالماجد دریابادی کو ''النجم'' میں اشاعت کے بعد، جس خدشہ کا اندیشہ تھا، حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے اس کے ازالہ کا بھی انتظام فرمایا تھا۔

لیکن سلفی صاحب کو اس سے کیا مطلب، ان کو تو اپنی غرض سے واسطہ ہے۔

(5)......حضرت تھانوی نے اخبار ''النجم'' کے ناظرین کی غلط فہمی کے احتمال کے

---

[1] المتشکک فی النسبة الحکمیة متردد بین وقوعها ولا وقوعها، فقد حصل له إدراک النسبة قطعا ولم یحصل له إدراک الوقوع واللاوقوع المسمی بالحکم فهما متغایران قطعا(کشاف اصطلاحات الفنون والعلوم، ج ۱، ص ۶۹۴)

www.idaraghufran.org

تدارک کی غرض سے ایک مضمون لکھا تھا۔

اس مضمون کو سلفی صاحب شائع کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔

(6)......حضرت تھانوی نے ''تنبیہِ ضروری'' کے عنوان سے جو مضمون لکھا، اس میں واضح فرمادیا کہ اخبار ''النجم'' میں اس کی اشاعت اس لیے پسند نہیں آئی کہ اخبار کے اکثر ناظرین کم علم و کم فہم ہوتے ہیں، جن میں حدود سے متجاوز ہونے کا احتمال قریب ہوتا ہے۔

اگر اس وقت ناظرین کا یہ حال تھا، اب تو ناظرین کی حالت اس سے بھی بدتر ہے، وہ ذرا ذرا سی بات کو فتویٰ سمجھ کر خوب نمک مرچ لگاتے ہیں، جیسا کہ مخفی نہیں۔

(7)......''النجم'' میں شائع ہونے والا مضمون، حضرت تھانوی کا کوئی فتویٰ نہیں تھا، بلکہ اصل صاحبِ فتویٰ، یعنی مولانا عبدالشکور لکھنوی کے فتوے پر جو ''درجۂ منع'' میں شبہات تھے، اُن کا جواب تھا، جس کا مطلب یہ تھا کہ اگر بالفرض وہ مقدمات ثابت ہوں، تو پھر علمی بحث جاری ہوگی، یہ کوئی حضرت تھانوی کا فتویٰ نہیں تھا۔

لہٰذا اس کو مولانا عبدالشکور لکھنوی کا فتویٰ ہی سمجھنا چاہیے، اور ہم اس کا برملا اعتراف بھی کرتے ہیں، اور اس سے اختلاف بھی رکھتے ہیں، اور اس کے مقابلہ میں دیگر حضراتِ محققین کی اتباع کرتے ہیں۔

(8)......اس فتویٰ اور بنائے فتویٰ، یعنی اس میں مذکور ''تکفیر'' کی توجیہات کے اصل ذمہ دار، خود صاحبِ فتویٰ یعنی مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ تھے، یہ ذمہ داری حضرت تھانوی پر عائد نہیں کی جاسکتی۔

پس سلفی صاحب کے ذمہ تھا کہ وہ اس کو حضرت تھانوی کے ذمہ نہ لگاتے۔

(9)......حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے یہ فیصلہ بھی فرمادیا کہ صاحبِ شبہات، یعنی مولانا عبدالماجد دریابادی نے اس مسئلہ میں کوئی رائے قائم نہیں کی تھی، صرف فتویٰ کے متعلق بعض تردّدات کا اظہار کیا تھا۔

لیکن سلفی صاحب نے نہ جانے اس پر کیا کیا حاشیہ نگاری کی۔

(10)......لہٰذا اس مکاتبت کی بنیاد پر ناظرین، کسی خاص خیال کو حضرت تھانوی، یا مولانا دریابادی کی طرف منسوب نہ فرمائیں۔

www.idaraghufran.org

پھر سلفی صاحب کو یہ کیسے حق پہنچتا ہے کہ وہ پے در پے تشریحات کی پیوند کاری کر کے ان حضرات کی طرف منسوب فرمائیں۔

(11)......اس مکاتبت کی بنیاد پر ناظرین کی طرف سے، کسی خاص خیال کی حضرت تھانوی، یا مولانا دریابادی کی طرف نسبت کرنا، غلط ہوگا۔

اسی غلط نسبت کرنے میں سلفی صاحب نہ یہ کہ مبتلا ہیں، بلکہ اس کی غلط تشریح بھی کرنے میں پوری طرح مشغول ومنہمک ہیں۔

(12)......حضرت تھانوی نے اس چھوٹے سے بیان میں اپنی طرف سے بھی بہترین صفائی پیش کر دی تھی، اور مولانا عبدالماجد دریابادی کی حیثیت کی بھی عمدہ ترجمانی فرما دی تھی۔

لیکن سلفی صاحب جیسے حضرات کے کان پر آج تک اس صفائی سے جوں تک نہیں رینگی، نہ ہی ان کو اس کی ضرورت ہے، کیونکہ وہ تو صرف اپنے مطلب سے غرض رکھتے ہیں۔

(13)......حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے ''النجم'' میں اس مکاتبت کی مخصوص طریقہ پر اشاعت کو جس ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا تھا، وہ بالکل ظاہر ہے۔

اگر سلفی صاحب کی اس اشاعت کو حضرت تھانوی ملاحظہ فرما لیتے، تو وہ کس قدر ناپسندیدگی کا اظہار فرماتے، یہ اس سے بھی زیادہ ظاہر ہے۔

(14)......''النجم'' میں شائع کردہ پھڑکتی ہوئی سرخیوں کا اثر، قدرتی طور پر یہ نکلا تھا کہ انہوں نے جوابی مضمون لکھا تھا، جس میں حضرت تھانوی کی تکفیر کی گئی تھی۔

آج پھر سلفی صاحب اسی مشن کو لے کر کئی قدم آگے بڑھے ہیں۔

(15)......اس طرزِ عمل سے حضرت تھانوی کو اس قدر ناگواری گزری تھی کہ انہوں نے اپنے یہاں سے ''النجم'' کو بند کر دینے کے ارادہ کا اظہار فرمایا تھا۔

پس اگر حضرت تھانوی حیات ہوتے، تو وہ مذکورہ ماہنامہ کو کیسے اپنے یہاں جاری رکھ سکتے تھے، جس میں حضرت تھانوی کے موقف میں تلبیس پیدا کی گئی ہو۔

(16)......حضرت تھانوی نے ''النجم'' کے اصحاب کے بارے میں یہ واضح کر دیا تھا کہ

www.idaraghufran.org

انہوں نے اپنے اغراض کے لئے میرا علمی مضمون شائع کر کے خواہ مخواہ گالیاں دلوائیں۔

یہی کام سلفی صاحب کے حصے میں آیا، اور خوب تشریح کے ساتھ آیا، جس پر ان کو حضرت تھانوی ومولانا دریابادی کا قیامت کے دن سامنا کر کے جواب دہ ہونا پڑے گا۔

اب سلفی صاحب جو حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے کلام کی جگہ جگہ لمبی چوڑی تشریح اپنی مرضی کے مطابق کررہے ہیں، اور اس سلسلہ میں حضرت تھانوی، اور ان کے صحیح ترجمان، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کی طرف سے بیان کردہ تفصیل اور تصریح کو بھی نظرانداز کررہے ہیں، بلکہ الٹا ان کی طرف ہی ایسے موقف کی نسبت کررہے ہیں، جس سے برائت کا اعلان وہ خود فرما چکے ہیں، اور اسی کے ساتھ حضرت مفتی صاحب موصوف کے خلف الرشید حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب رحمہ اللہ اور حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم، اور ان کے ترجمان دارالعلوم کراچی کے علی الرغم، جو علی الاطلاق تکفیر کی نسبت کررہے ہیں، یہ تاریخ کی بدترین علمی خیانت پر مشتمل ترجمانی ہے، اور علمائے محققین کی تصریحات کے خلاف ہے۔

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

إذ لو حمل على ما حملوا لزم توجيه القول بما لا يرضى به قائله(الكوكب الدرى على جامع الترمذى، ج ا ،ص ۳۸۶،باب ما جاء فى فضل التطوع)

ترجمہ: کیونکہ اگر اس بات پر محمول کیا جائے، جس پر انہوں نے محمول کیا، تو قول کی ایسی توجیہ کرنا لازم آئے گا، جس سے اس قول کا قائل راضی نہیں (الکوکب الدری)

اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ اس سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں:

توجيه القول بما لا يرضى به قائله(بذل المجهود فى حل سنن أبى داود، ج۴،ص ۵۱۵،باب التشهد)

ترجمہ: یہ قول کی ایسی توجیہ کرنا ہے، جس سے اس قول کا قائل راضی نہیں (بذل المجہود)

اور علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

الراوى قد يؤدى طرفا من الكلام ويحمله آخر على طرف آخر، فيفقد مراده، ويكون من باب توجيه القائل بما لا يرضى به قائله(فيض البارى على صحيح البخارى، ج ۲، ص ۹۲،باب الحلق والجلوس فى المسجد)

www.idaraghufran.org

ترجمہ: راوی کبھی اپنے کلام کے ایک حصہ کو اداء کرتا ہے، اور دوسرا شخص اس کو کسی دوسرے حصہ پر محمول کر لیتا ہے، جس سے اس متکلم کی مراد مفقود ہو جاتی ہے، اور یہ طرزِ عمل قول کی ایسی توجیہ کرنے کے باب سے تعلق رکھتا ہے، جس سے اس قول کا قائل راضی نہیں (فیض الباری)

اور علامہ عبدالحیٔ لکھنوی رحمہ اللہ اس سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں:

اخترت توجیه الکلام، بما لا یرضی به قائله، وتمویه المرام بما لا یسعی به عامله(تذکرة الراشد برد تبصرة الناقد،لعبد الحئی اللکهنوی،ص ۲۴)

ترجمہ: تم نے کلام کی ایسی توجیہ کو اختیار کیا، جس سے اس قول کا قائل راضی نہیں، اور ایسے مقصود کی تلبیس وتخدیع کرنا ہے، جس کی اس کے عامل نے سعی نہیں کی (تذکرۃ الراشد)

اور یہ بات ہم پہلے ہی ذکر کر چکے ہیں کہ اگر سلفی صاحب کو علی الاطلاق تکفیر کا زیادہ شوق اور جنون ہے، تو وہ اس شوق کو پورا کریں، لیکن دوسرے کے کندھوں پر بندوق رکھ کر کارروائی نہ ڈالیں۔

مولانا عبدالماجد دریابادی نے اس کے بعد بھی ''صدق'' میں کئی مضامین شیعت پر تحریر کئے۔

سلفی صاحب نے جو انداز اختیار کیا ہوا ہے، وہ دراصل ہمارے یہاں متشددین کی طرف سے ایک عرصہ سے جاری، ایک مخصوص فضا کا حصہ ہے۔

مولانا عبدالماجد دریابادی صاحب رحمہ اللہ نے قیامِ پاکستان کے بعد اپریل 1955ء میں پاکستان کا سفر کیا، اور اس سفر کے تفصیلی احوال کو سپردِ قرطاس کیا، مولانا عبدالماجد دریابادی صاحب کا یہ سفر نامہ ''ڈھائی ہفتہ پاکستان میں'' کے عنوان سے شائع ہوا ہے، اس سفرنامہ کے حاصل میں مولانا دریابادی لکھتے ہیں:

''جس اتحادِ امت، یکدلی، یکجہتی کو وجود میں لانے اور اسے ترقی دینے کے لئے پاکستان بنا تھا، خود وہی مفقود ہے، قدم قدم پر انتشار، بات بات میں اختلاف اور سب سے مہلک زہر ''رگ رگ'' میں سرایت کیا ہوا ''صوبائی تعصب'' کا۔

حسرت ہی رہی کہ کسی پنجابی کی زبان سے کسی بنگالی کے حق میں کلمۂ خیر سنا ہوتا، کسی بنگالی نے کسی سندھی کا نام خوش دلی کے ساتھ لیا ہوتا، کسی سندھی نے کسی سرحدی پر اعتماد

www.idaraghufran.org

کا اظہار کیا ہوتا۔ حد یہ ہے کہ مہاجرین تک مختلف ٹولیوں میں بٹے ہوئے ایک دوسرے کی طرف بجائے محبت واخوت کے رقابت، بلکہ دشمنی کی نظر سے دیکھنے والے" رُحمآء "کے بجائے "أشِدَّآء" کے مصداق، یوپی والے، بمبئی والے، بہاری، دکھنی سب الگ الگ پارٹیوں میں تقسیم، تنظیم سے کوسوں دور۔ اس زہر کا توڑ صرف ایک ہی تھا "ایمانی اخوت" یہی سب کو ایک سانچہ میں ڈھال سکتی ہے، اور وہی ناپید۔

پھر یہ تفریق تو صرف وطنی بنیاد پر تھی، خود مذہبی حیثیت سے بھی ایک انتشار کا عالم طاری، نئے اور پرانے ملا کر خدا معلوم کتنے فرقے تیار، اور کس کثرت وتنوع کے ساتھ دینی دعوتیں، بڑے بڑے زبردست داعیوں کی طرف سے جاری، بعض جدید تحریکیں، یقیناً اصلاح، اتحاد ومرکزیت ہی کا مقصد لے کر اٹھیں، لیکن دیکھتے ہی دیکھتے وہ خود ایک مستقل فرقہ، ایک تخریبی عنصر بن گئیں۔ شکوہ کس کس کا کیا جائے، اور کس ایک گروہ، یا جماعت کا نام لے کر ذمہ داری اس کے سر ڈال دی جائے، کسی میں اخلاص ہے، تو تدبر نہیں، اور کہیں اگر جوش ہے، تو ہوش سے عاری، یہ تذکرہ ہرگز خوش گوار نہیں، لیکن اسے نظر انداز کر جانا بھی کیونکر ممکن ہے؟" (ڈھائی ہفتہ پاکستان میں، یا مبارک سفر، ص ۱۱۵، و ۱۱۶، معروضاتِ خصوصی، حاصلِ سفر، ناشر: مولانا عبد الماجد دریا بادی، اکاڈمی رجسٹرڈ لکھنؤ، تاریخِ اشاعت، اپریل 1381ء)

آخر میں حضرت مولانا مفتی سید عبدالقدوس ترمذی صاحب زیدمجدہٗ (جامعہ حقانیہ، ساہیوال، سرگودھا) کا 23 جمادی الاخریٰ 1414ھ میں تحریر کیے گئے ایک تفصیلی مضمون کا اقتباس نقل کیا جاتا ہے، جس پر مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی صاحب، اور مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب رحمہما اللہ اور مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کی تصدیق بھی ثبت ہے، یہ اقتباس درجِ ذیل ہے:

مولانا عبدالماجد دریابادی نے حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ کے فتویٰ، متعلق تکفیرِ اہلِ تشیع پر بعض اعتراض، حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کی خدمت میں بھیجے تھے، حضرت رحمہ اللہ نے ان کا جو جواب تحریر فرمایا، افسوس کہ بعض اہلِ علم بھی، اسے حضرت کا فتویٰ سمجھ بیٹھے، جبکہ حضرت رحمہ اللہ نے اپنی اسی تحریر کے آخر میں اس کے فتویٰ

www.idaraghufran.org

ہونے کی صراحتاً نفی فرمادی ہے(امدادالاحکام، ج۲ص۹۰۳،ضمیمہ،مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی، طبع جدید:جمادی الاولیٰ ۱۴۲۶ھ، بمطابق جولائی 2005ء)

پس حضرت تھانوی،اور مولانا عبدالماجد دریابادی کی اپنی مکاتبت سے متعلق،ان کی توضیح،اور اس مکاتبت کی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب،حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب،اور مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی صاحب رحمہم اللہ،اور صدر وفاق المدارس العربیہ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی ،اور مولانا مفتی سید عبدالقدوس ترمذی صاحبان مدظلہما کی ترجمانی کے مقابلہ میں سلفی صاحب کی ترجمانی وتشریح کی کوئی بھی ادنی اہمیت ووقعت نہیں۔

خلاصہ یہ کہ سلفی صاحب نے اپنے مضمون میں جن خیالات وتشریحات کو حضرت تھانوی اور مولانا عبدالماجد دریابادی صاحب رحمہما اللہ کی طرف منسوب کرنے کی کوشش کی ہے، وہ سراسر علمی خیانت،غلط بیانی اور دھوکہ دہی پر مشتمل ہے۔

اوپر سے پھر جو اس موقف کو حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کے ذمہ لگایا ہے، وہ بھی بدترین خیانت ہے، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کا تفصیلی موقف بحیثیتِ ترجمانِ تھانوی اور ''دارالعلوم دیوبند'' اور بحیثیت ترجمان ''دارالعلوم کراچی'' کے ہم پہلی قسط میں تفصیلاً تحریر کرچکے ہیں،جن میں سے بعض فتاویٰ میں ''امامیہ،واثناعشریہ کی بھی صاف تصریح ہے،جو سلفی صاحب کے موقف کے خلاف منہ بولتا ثبوت ہیں،لیکن سلفی صاحب کو نہ تو کذب وجھوٹ بولنے میں کوئی ادنیٰ جھجک لاحق ہوتی،نہ علمی خیانت سے کوئی خوف لاحق ہوتا،نہ ہی الزامات واتہامات کا کوئی پاس ولحاظ ہوتا،جس کی بناء پر یہ ''سلفی'' علمائے حق کے نام پر بدنما داغ سے کم نہیں۔

قائدِ اعظم محمد علی جناح کا جنازہ،اور فتاویٰ مفتی محمود کا حوالہ

سلفی صاحب نے اپنے مضمون میں حضرت تھانوی اور مولانا عبدالماجد دریابادی کی مکاتبت کی غلط تشریح کے ضمن میں حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ کی طرف منسوب ''فتاویٰ مفتی محمود'' کی تیسری جلد کے کتابُ الجنائز کا ایک فتویٰ قائدِ اعظم محمد علی جناح مرحوم کی نمازِ جنازہ کے متعلق نقل کیا ہے،جس سے قائدِ اعظم کا ایسا شیعہ ہونا، جو مسلم نہ ہو،اور اس کے نتیجہ میں ان کی نمازِ جنازہ

www.idaraghufran.org

کا ناجائز ہونا ظاہر ہوتا ہے، جس پر سلفی صاحب نے حاشیہ نگاری بھی کی ہے۔

سلفی صاحب کس ذہنیت کے مالک ہیں، اس کا اندازہ تو ان کی اس کارروائی سے ہی ہو سکتا ہے۔

اس سلسلہ میں ہم پہلے مفتیِ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کے ایک فتوے کو نقل کرتے ہیں۔

مفتیِ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ ’’فاطمہ جناح‘‘ کی نمازِ جنازہ پڑھانے پر اعتراض کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

یہ تو بالکل غلط ہے کہ جس شخص کے مسلمان ہونے میں شک ہو، اس پر نمازِ جنازہ پڑھنا جائز نہیں، کسی عالم نے ایسا نہیں لکھا، بلکہ حکمِ شرعی یہ ہے کہ جب تک کسی شخص کے کافر ہونے کا یقین نہ ہو جائے، اس وقت تک اس پر نمازِ جنازہ پڑھنا فرض ہے۔

قائدِ اعظم نے 1917ء میں باقاعدہ اعلان کے ذریعے اپنے آپ کو ’’خوجہ برادری‘‘ سے الگ کر لیا تھا ’’خوجہ‘‘ بلاشبہ مسلمان نہیں ہیں، ان کی نمازِ جنازہ بھی جائز نہیں، قائدِ اعظم اور ان کے ساتھ مس فاطمہ جناح ’’خوجہ برادری‘‘ سے علیٰحدگی کا اعلان کر چکے تھے، اور پھر قائدِ اعظم نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا تھا کہ وہ سنیوں کے پیچھے نماز پڑھتے تھے، اور سنیوں کی طرح پڑھتے تھے، فاطمہ جناح کا مسلک اپنے بھائی سے قطعاً الگ نہیں تھا، اگر کچھ الگ ہوتا، تو قائد اعظم کی وفات کے بعد قائد اعظم کی نمازِ جنازہ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ سے نہ پڑھواتیں، اس لیے فاطمہ جناح کی نمازِ جنازہ پڑھنے، یا پڑھانے پر شبہات کی کوئی وجہ نہیں۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ۔ دار العلوم کراچی ۸/۴/ ۱۳۸۷ھ۔ (فتوی نمبر ۱۰۴۲/ ۱۸الف)

(امداد المفتیین جامع، جلد ۵، صفحہ نمبر ۱۳۰، و ۱۳۱، بعنوان: فاطمہ جناح کی نمازِ جنازہ پڑھانے پر اعتراض اور حضرت مفتی صاحب کا جواب، کتاب الجنائز، ، فصل فی الصلاۃ علیٰ غیر المسلمین، مطبوعۃ: ادارۃ المعارف کراچی، تاریخِ طبع: 2021ء)

ملحوظ رہے کہ تاریخ دانوں کے مطابق ’’خواجہ‘‘ دراصل برِصغیر پاک و ہند کی ایک برادری ہے، جن کی

www.idaraghufran.org

اپنی روایات کے مطابق ان کا بنیادی تعلق ہندوؤں کی ایک شاخ لوہانہ سے ہے، جو زیریں سندھ اور کچھ گجرات میں آباد تھی، اور اب بھی زیادہ تر انہی علاقوں میں آباد ہے۔

ان لوگوں نے چودہویں، پندرہویں صدی عیسوی میں اسماعیلی پیر صدر الدین نام کے بزرگ کے ہاتھ پر مذہب کو قبول کیا، اور اس کے بعد ''خوجہ'' کے نام سے مشہور ہوئے ''خوجہ'' دراصل ''خواجہ'' سے لیا گیا ہے، جو فارسی میں ''خواجہ'' کا مترادف ہے، جو بزرگ اور آقا کے معنیٰ میں بھی مستعمل ہے، اور یہ ہندی لفظ ''ٹھاکر'' یا ''سردار'' کا ہم معنی ہے۔ بعد میں ''خوجے'' تین مسلکوں میں منقسم ہوگئے۔

ایک ''اسماعیلی خوجے'' جو ''آغا خان'' کو اپنا مذہبی رہنما قرار دیتے ہیں، یہ بلاشبہ مسلمان نہیں، کیونکہ ان کے کفر پر، متعدد محققین اور مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے مستقل مضامین تحریر فرمائے ہیں، اور ''خوجوں'' کی یہی قسم زیادہ تر مشہور بھی ہے۔

دوسرے ''شیعہ خوجے'' آج کل وہ ہیں، جو بمبئی اور زنجبار وغیرہ میں آباد ہیں، اس گروہ کو خوجہ اثناعشری کہا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ آقا خان محلاتی کی سختی اور شیعہ علماء کے ساتھ رابطے کی وجہ سے ان میں سے اس گروہ نے مذہبِ اسماعیلیہ چھوڑ کر مذہبِ شیعہ اثناعشری اختیار کیا۔

تیسرے ''سنی خوجے'' بھی ہیں، جو آج کل زیادہ تر بمبئی وغیرہ میں آباد ہیں۔

شیعہ اور سنی ''خوجے'' آغا خان کو اپنا رہبر نہیں مانتے۔

اس کے علاوہ ماہنامہ ''بینات، کراچی'' میں، ڈاکٹر ساجد خاکوانی صاحب کا ایک مضمون ، بعنوان ''کیا قائدِ اعظم محمد علی جناح سیکولر ذہن کے مالک تھے؟'' شائع ہوا، جس میں تحریر کیا گیا کہ:

> ''سوال یہ ہے کہ قائدِ اعظم اگر سیکولر اور لادین ذہن کے مالک تھے، تو علامہ اقبال جیسے دردِ دل رکھنے والے بنیاد پرست مسلمان کی نظرِ انتخاب اُن پر کیوں پڑی؟ کیا علامہ محمد اقبال جیسا راسخ العقیدہ مسلمان کہ جس کا ہاتھ تاریخ کی نبض پر تھا، وہ مسلمانوں کی قیادت کے لیے ایک لادین شخص کا انتخاب کرتا؟ ہرگز نہیں! گزشتہ مذکورہ واقعات اور ان صفحات میں آئندہ آنے والی تحریری شہادتیں اس امر کی قطعی نفی کرتی ہیں'' (ماہنامہ ''بینات'' کراچی، ص۵۱، رجب الرجب ۱۴۴۳ھ، مارچ 2022ء)

پھر چند حوالہ جات کے بعد تحریر کیا گیا کہ:

www.idaraghufran.org

''قائدِ اعظم کے یہ فرمودات واضح طور پر یہ پتہ دیتے ہیں کہ وہ کبھی بھی سیکولر نہیں رہے، زمانۂ طالب علمی اور پیشہ ورانہ زندگی کے واقعات اور تحریکِ پاکستان کے دوران تقریروں کے اقتباسات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے ذہن میں اسلامی تعلیمات پوری طرح راسخ تھیں، ایک بار انہوں نے قرآن مجید کو بھی پوری طرح پڑھ چکنے کا عندیہ دیا تھا، لیکن اردو، عربی اور فارسی سے بہت زیادہ واقفیت نہ ہونے کے باعث وہ ہندوستان کی روایتی مذہبیت سے دور ہی رہے۔

پھر کیا یہ ایک تاریخی شہادت نہیں ہے کہ غازی علم دین شہید کا مقدمہ قائدِ اعظم نے اس وقت مفت لڑا تھا جب کہ ان کا شمار ہندوستان بھر کے مہنگے ترین وکیلوں میں ہوتا تھا۔

تحریکِ پاکستان کے دوران ہندو قیادت نے انگریز سے مراعات لینے کے لیے کیا کچھ نہیں کیا۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے اپنی کتاب میں نہرو کی بیوی سے تعلقات تک کا ذکر بھی کیا ہے، لیکن اس طرح کے ماحول میں رہنے اور طویل جنگ لڑنے کے باوجود محترمہ فاطمہ جناح کو مَردوں سے ہاتھ ملانے تک کی اجازت نہ تھی، حتیٰ کہ کسی نے انہیں ننگے سر بھی نہ دیکھا۔ تقسیمِ ہند میں اس طرح کے رویّے سے مسلمانوں کا نقصان بھی ہوا، لیکن قائدِ اعظم نے یہ ثابت کیا کہ ایک سچے مسلمان کے لیے ایمان اور شرم و حیا سے بڑھ کر اور کچھ نہیں ہوتا۔ زیارت ریزیڈنسی میں قائدِ اعظم نے اپنی زندگی کے آخری ایام گزارے، ان کے خدمت گار سے جب ان ایام کا احوال پوچھا گیا، تو اس نے بہت ساری باتوں کے ساتھ ساتھ ان کی آخری نماز کا بھی تذکرہ کیا، اس کے بقول قائدِ اعظم باقاعدگی سے فقہ حنفی کے مطابق نماز ادا کرتے تھے، آخری نماز، جو انہوں نے ادا کی اس کا حال خدمت گار کی زبانی سنئے:

''ظہر کی نماز کی ادائیگی کے بعد انہوں نے کہا کہ عصر کا وقت ہوتے ہی مجھے بیدار کر دینا، میں نے کہا: جی اچھا، لیکن آنکھ کھلنے پر انہوں نے استفسار کیا کہ کیا ابھی عصر کا وقت نہیں ہوا؟ میں نے کہا: ہو چکا ہے، لیکن آپ ابھی آرام کر لیں، میں تھوڑی دیر بعد آپ کو نماز پڑھا دوں گا، کیونکہ نقاہت بہت زیادہ تھی، انہوں نے فرمایا کہ: نہیں اول وقت

میں نماز کی ادائیگی پسندیدہ ہے، پس تکیہ میری کمر کے نیچے کر دو، تو میں نماز پڑھ لوں، وضو کے بعد یہ ان کی زندگی کی آخری نماز تھی، جس کے بعد وہ قومے میں چلے گئے اور بالآخر اللہ تعالیٰ سے جا ملے"۔

قائدِ اعظم کے اس خدمت گار کی یہ روایت ہمارے استاذِ محترم مولانا عبدالمجید اخوان مرحوم کے ذریعہ براہِ راست ہم تک پہنچی"۔......

"قائداعظم اگر سیکولر اور لادین خیالات کے مالک ہوتے، تو علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ جیسے جید عالمِ دین ان کی نماز جنازہ کیوں پڑھاتے؟ ٹھیک ہے وہ اس طرح سے مذہبی انسان نہ تھے، جس کا تصور ہمارے ہاں پایا جاتا ہے، لیکن بہرحال وہ ایک راسخ العقیدہ اور پکے مسلمان تھے۔ جن فاضل مصنفین نے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر انہیں سیکولر ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، اس سے بھی قائداعظم کے پختہ ایمان کی تصدیق ہوتی ہے کہ اگر کسی زمانے میں ان پر سیکولر خیالات کا سایہ رہا بھی ہے، تو وہ اسلام اور قرآن کے مطالعے کے بعد ان فرسودہ خیالات سے دست کش ہو کر شعوری طور پر اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا رہے اور ایک سچے مسلمان اور امتِ محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے فرد کی حیثیت سے اپنے رب کے حضور پیش ہوئے" (ماہنامہ "بینات" کراچی، ص۵۲تا۵۴، رجب الرجب۱۴۴۳ھ، مارچ2022ء)

سابق صدر وفاق المدارس العربیہ، پاکستان، مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمہ اللہ کے فرزند مولانا ڈاکٹر محمد عادل خان صاحب رحمہ اللہ کی تالیف کردہ کتاب "تاریخ: اسلامی جمہوریہ پاکستان" دو جلدوں میں شائع ہوئی ہے، جس میں "قائدِ اعظم کا مذہب" کے عنوان سے متعدد حوالہ جات ایسے نقل کیے گئے ہیں، جن سے قائدِ اعظم کا "سنیُ المذہب" یا "مطلق مسلمان" ہونا معلوم ہوتا ہے۔

چنانچہ مولانا ڈاکٹر محمد عادل خان صاحب رحمہ اللہ، اپنی مذکورہ تالیف میں تحریر فرماتے ہیں:

قائدِ اعظم محمد علی جناح کے حوالے سے بھی بعض لوگوں نے غلط فہمی پھیلانے کی کوشش کی ہے، بعض لوگ انہیں ایک سیکولر لیڈر قرار دیتے ہیں، جبکہ بعض کے نزدیک وہ شیعہ عقیدہ پر کاربند تھے، ذیل کے بعض واقعات، کہانی کا کوئی اور ہی رخ بیان کر رہے ہیں:

www.idaraghufran.org

(1)عالمی ادارہ اشاعتِ علومِ اسلامیہ(رجسٹرڈ) ملتان کے خصوصی معاون واحد حسین علی گڑھ اپنے گرامی نامی 5اکتوبر1985ء میں لکھتے ہیں کہ بجنور کی سیٹ پر الیکشن کے دوران مسلم لیگ نے کانگریس کے امیدوار حافظ ابراہیم کو چیلنج کیا، جس میں مسلم لیگ ہار گئی، اور حافظ ابراہیم جیت گیا، اس موقع پر قائدِ اعظم محمد علی جناح، مولانا شوکت علی، جمال میاں، مولانا عبدالحامد بدایونی، میرے ہاں نجیب آباد تشریف لائے، اور میرے گھر میں مہمان رہے، اس روز مولانا شوکت علی نے کھانے کی میز پر قائدِ اعظم محمد علی جناح سے سوال کیا کہ مسلمان، آپ کو شیعہ کہتے ہیں، اس کی کیا حقیقت ہے؟ تو قائدِ اعظم محمد علی جناح نے جواب دیا کہ اول تو میں کوئی علماء میں سے نہیں ہوں، میں مسلمانوں کا مقدمہ لڑ رہا ہوں، دوسرے شیعہ کب سے نکلے ہیں؟ پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت حسین رضی اللہ عنہ میں سے کسی نے شیعہ مذہب نہیں بنایا، نہ ظاہر کیا، میں مسلمان ہوں، یہ فرقہ بعد کی پیداوار ہے(قائداعظم کا مذہب اور عقیدہ، ص۱۱۶، ناشر: کاروانِ ادب، ملتان، اپریل1986ء)

(2)اسی طرح ایک موقع پر جب گاندھی، جناح، مذاکرات جاری تھے، تو گاندھی جی نے ایک ملاقات کے لیے 21رمضان کی تاریخ مقرر کر کے قائدِ اعظم کو اطلاع بھیجی، آپ نے اس دعوت نامے کا یہ جواب دیا کہ چونکہ یہ حضرت علی کی شہادت کا دن ہے، اس لیے اس روز گفتگو ممکن نہیں، یہ بیان پڑھ کر لکھنؤ سے مولانا ظفرالملک نے قائدِ اعظم سے کہا کہ شیعہ عقیدہ کو مسلمانوں سے منسوب کرنے کا آپ کو کوئی حق نہیں، قائدِ اعظم نے جواب دیا کہ مجھے علم نہیں تھا کہ آپ جیسے کوتاہ نظر مسلمان ہنوز موجود ہیں، یہ صرف شیعہ عقیدہ کا سوال نہیں ''حضرت علی رضی اللہ عنہ، خلیفہ چہارم تھے'' رمضان کی 21تاریخ کو بے شمار شیعہ وسنی بلا لحاظ عقیدہ، یومِ شہادتِ حضرت علی مناتے ہیں(قائد اعظم کا مذہب اور عقیدہ، ص۱۱۷، ناشر: کاروانِ ادب، ملتان، اپریل1986ء)

(3)قائدِ اعظم کی دینی تربیت چونکہ ''حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ'' کے ذریعہ ہوئی تھی، اس لیے انہوں نے خود کو کتاب وسنت کا متبع بنالیا تھا، اور خود کو شیعہ کہلوانا پسند

www.idaraghufran.org

نہیں کیا، چنانچہ قائدِ اعظم کے قیامِ کوئٹہ کے دوران، کوئٹہ میں ایک شیعہ وفد سے دورانِ ملاقات، جب وفد نے یہ استحقاق ظاہر کیا، اور آپ سے کہا کہ آپ ہمارے فرقے سے ہیں، تو قائدِ اعظم نے پوری جرأت کے ساتھ دوٹوک الفاظ میں جواب دیتے ہوئے کہا ''No! I am Muslim'' (قائد اعظم کا مذہب اور عقیدہ، ص۱۱۷، ناشر: کاروانِ ادب، ملتان، اپریل1986ء)

(4) قائدِ اعظم عام طور پر طلبہ کو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے یونین ہال میں ملنے کا وقت دیتے تھے، اکثر صاحبان آپ سے وہیں ملتے، اہلِ تشیع میں سے ایک صاحب کو یہ بات گراں گزر رہی تھی کہ قائدِ اعظم اپنے عقیدے کو کیوں چھپائے رکھتے ہیں، اور اسے ظاہر کیوں نہیں کرتے؟ اس لیے انہوں نے اس بات کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے قائدِ اعظم پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے متعلق ایسا سوال کیا، جس سے ان کی ذات وصفات پر حرف آتا تھا، قائدِ اعظم ان سے یوں مخاطب ہوئے:

Tell Me,My Boy,if You Take Hazrat Umar Out of The Islamic History,What is Left of it?

''یعنی اگر آپ تاریخِ اسلام سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خارج کردیں، پھر آپ کے پاس باقی کیا رہ جاتا ہے''۔

یہ ایک ایسا جملہ تھا، جسے سن کر سب ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے، اور ہال میں سناٹا چھا گیا، آپ ہمیشہ یہی فرمایا کرتے تھے کہ:

''مسلمانوں کی وحدت کی بنیاد ایک خدا، ایک کتاب اور ایک رسول پر ہے، اس لیے مسلمان بھی فرقہ بندی سے بالاتر ہوکر اتفاق واتحاد سے رہیں، اور دنیا کے سامنے، خلافتِ راشدہ کے دور کا نمونہ پیش کریں'' (قائد اعظم کا مذہب اور عقیدہ، ص۱۱۱،۱۱۲، ناشر: کاروانِ ادب، ملتان، اپریل1986ء)

ظاہر ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا تذکرہ اس طرح بڑے الفاظ کے ساتھ، اور خلافتِ راشدہ کے دور کو دنیا کے سامنے ایک عظیم نمونہ قرار دینا، یہ قائدِ اعظم کی سوچ

www.idaraghufran.org

وعقیدہ کو واضح کر دینے کے لیے کافی ہے۔

قائداعظم کی وصیت سے انکشافِ حقیقت: منشی عبدالرحمٰن لکھتے ہیں کہ قائدِاعظم کے اس دنیائے فانی سے رخصت ہونے پر پیدا ہونے والے مسائل کا آپ کو شدید احساس تھا، جن میں سرفہرست آپ کے تبدیلیِ عقیدہ کا مسئلہ تھا، جس کا آپ وقتاً فوقتاً اپنے قول وکردار سے تو اظہار کرتے رہے، مگر اس کے لیے آپ نے کوئی باقاعدہ اعلان نہیں کیا تھا، اس لیے آپ کو احتمال تھا کہ میرے مرنے کے بعد میری تجہیز وتکفین اور تدفین پر ممکن ہے، فرقہ پرست کوئی ہنگامہ نہ کھڑا کردیں، اس خطرے کے انسداد کے لیے آپ نے تبدیلیِ عقیدہ کی بنا پر اپنا وصیت نامہ لکھ دیا تھا۔

آپ کی وفات کے بعد جب تجہیز وتکفین کا مرحلہ پیش آیا، تو مذکورہ بالا خطرہ متشکل ہوکر سامنے آ گیا، آپ کے شریک جنازہ عبداللطیف سیٹھی لکھتے ہیں کہ ''شیعہ حضرات نے لیاقت علی خان سے استدعا کی کہ انہیں اہلِ تشیع کے طریقہ کے مطابق قائدِاعظم کی میت کی تکفین، تدفین کرنے کا موقع دیا جائے، لیاقت علی خان بہت پریشان تھے کہ اس مسئلہ کا حل کیا ہوگا؟ آخر انہوں یہ رائے ظاہر کی کہ محترمہ فاطمہ جناح سے مشورہ کیا جائے، شیعہ حضرات مادرِ ملت کے پاس گئے، اور استدعا دہرائی، محترمہ نے قائدِ اعظم کی وصیت کے کاغذات میں ایک فائل تلاش کرلی، جس میں صراحت کے ساتھ لکھا ہوا تھا کہ: ''وفات کے بعد ان کا جنازہ عام مسلمانوں کی طرح ہو، اور جنازہ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ پڑھائیں''

اس وصیت نامہ نے یہ مسئلہ بخیر وخوبی حل کردیا کہ ان کا تعلق شیعہ مکتبِ فکر سے نہیں ہے، اور ساتھ ہی قائدِاعظم کی دوراندیشی کی داد بھی سب کو دینا پڑی، کیونکہ اگر مرنے کے بعد ان کے مسلک کا جھگڑا کھڑا ہوتا، تو قوم میں میت کے تقدس کا خیال باقی نہ رہتا، لیکن ان کی وصیت کی وجہ سے قوم، میت کے تقدس کو نہایت ہی منظّم طریق سے انجام کو پہنچا سکی (قائداعظم کا مذہب اور عقیدہ، ص۱۱۸، ۱۱۹، ناشر: کاروانِ ادب، ملتان، اپریل 1986ء، نوائے وقت، 13 اکتوبر 1975ء، ص۱، کالم۴، ۵)

www.idaraghufran.org

عدالتِ عالیہ کا فیصلہ: 1971ء میں قائداعظم اور محترمہ فاطمہ جناح کے بھانجے نے محترمہ فاطمہ جناح کی جائیداد کا نظم ونسق چلانے کے لیے عدالتِ عالیہ ہائی کورٹ، کراچی میں درخواست دی، جس کی سماعت کے دوران عدالتِ عالیہ نے اٹارنی جنرل سید شریف الدین پیرزادہ، مفتیِ اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع، مولانا احتشام الحق تھانوی، مولانا محمد حسین، ایم-این، کوتوال مرزا اختر حسین، ایم-آر، پیر بھائی اور محمد حنیف وغیرہ کے بیانات قلم بند کیے۔

شریف الدین پیرزادہ نے اپنی شہادت میں کہا کہ قائداعظم نہ شیعہ تھے، نہ سنی، بلکہ وہ ایک مسلمان تھے، پیرزادہ نے عدالت کو بتایا کہ میرٹھ میں مسلم لیگ کے کارکنوں نے جب قائدِاعظم سے سوال کیا کہ وہ شیعہ ہیں، یا سنی؟ تو قائداعظم نے فوراً دریافت کیا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیا تھے؟ اس موقع پر قائدِاعظم نے تفصیل سے کہا کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکار ہیں، شیعہ، یا سنی نہیں ہیں، پیرزادہ شریف الدین نے اپنی شہادت میں قائداعظم کے خطوط اور ساٹھ فائلوں کا حوالہ بھی دیا، جو مسلم لیگ کے اسسٹنٹ سیکرٹری شمس الحسن کے حوالے کی گئی تھی۔

فاضل ججوں نے قرار دیا کہ عدالت اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کرسکتی کہ اسلام کے ابتدائی ڈیڑھ سو برس میں فرقوں کا کوئی وجود نہیں تھا، چاروں مسلک دوسری صدی ہجری میں معرضِ وجود میں آئے، اور سنی عقائد کے متعلق کتابیں چوتھی اور پانچویں صدی ہجری لکھی گئیں ہیں۔

سندھ ہائی کورٹ کے چیف جسٹس عبدالحق قریشی اور جسٹس عبدالرزاق تھہیم پر مشتمل ایک ڈویژن بنچ نے فیصلہ دیا کہ قائدِاعظم سچے مسلمان تھے، فرقہ ورایت، احساسات، جذبات اور عقیدہ سے ماورا تھے، ان کا آئیڈیل رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پاک ہے، جسے وہ مکمل ضابطۂ حیات سمجھتے تھے (تاریخ: اسلامی جمہوریہ پاکستان'' جلد ۱، صفحہ ۴۹۱ تا ۴۹۴، مطبوعہ: المنہل پبلشرز، کراچی، سنِ اشاعت: 2020ء)

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب مرحوم کے مضمون ''علامہ اقبال، قائدِاعظم اور نظریۂ پاکستان'' میں ہے:

www.idaraghufran.org

محمد علی جناح کے خاندانی پس منظر کے بارے میں اختلاف ہے۔عام طور پر مشہور ہے کہ آپ اسماعیلی خوجے تھے،لیکن مجھے اس بارے میں ایک عجیب اقتباس ملا ہے۔ ۱۹۶۴ء میں ماہنامہ ''نقوش'' نے ۱۲۰۰صفحات پر مشتمل آپ بیتی نمبر شائع کیا تھا،جس میں تمام مشاہیر کی زندگی کے حالات ان کی اپنی تحریروں سے،یا اپنے اقوال کے حوالے سے بڑی خوبصورتی سے جمع کیے گئے۔مسٹر جناح کے بقول آپ اصل میں منٹگمری کے علاقے کے ایک راجپوت خاندان کی نسل سے ہیں،مسٹر جناح سے جب نواب صاحب باغ پت نے کہا کہ آپ کا خاندان تو تجارت پیشہ ہے،پھر آپ میں یہ گھن گرج کیسے آئی ؟تو آپ نے کہا:میں اصل میں پنجابی راجپوت ہوں،کئی پشتیں گزریں کہ میرے اجداد میں سے ایک صاحب جو منٹگمری (موجودہ ساہیوال) کے رہنے والے تھے،کاٹھیاواڑ چلے گئے تھے،وہاں انہوں نے ایک خوجہ لڑکی سے شادی کر لی تھی،اور انہی کے خاندان میں مل گئے تھے،اس وقت سے ہم لوگ خوجوں میں شمار ہونے لگے ،لہٰذا میں اسماعیلی خوجہ نہیں ہوں،بلکہ میری رگوں میں جو خون ہے وہ راجپوت کا ہے، اس قول کے راوی صغیر احمد عباسی ''پرائیویٹ سیکرٹری آف نواب صاحب چھتاری'' ہیں (علامہ اقبال،قائداعظم اورنظریۂ پاکستان،ص۱۲،۱۳،مطبوعہ:مکتبہ خدام القرآن،لاہور)

مذکورہ حوالہ جات سے قائدِ اعظم محمد علی جناح کا دیانتاً اور قضاءً (یعنی فتوے اور عدالتی فیصلے کی رُو سے) مسلمان ہونا معلوم ہوگیا،لیکن سلفی صاحب کو ان حوالہ جات اور عدالتی فیصلوں سے کیا سروکار۔

اس کے بعد عرض ہے کہ فتاویٰ مفتی محمود میں شائع شدہ تمام فتاویٰ نہ تو حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ کے ذاتی طور پر تحریر کردہ ہیں،اور نہ ہی تمام فتاویٰ مفتی صاحب موصوف کے مصدقہ ہیں،بلکہ بہت سے فتاویٰ مدرسہ قاسم العلوم،یا اس کے شعبہ افتاء سے وابستہ دیگر اصحابِ علم کے تحریر وتصدیق کردہ ہیں،جس طرح بعض فتاویٰ مفتی صاحب موصوف کے تحریر وتصدیق کردہ ہیں۔

اور قائدِ اعظم محمد علی جناح کی نمازِ جنازہ کے متعلق،فتاویٰ مفتی محمود کی تیسری جلد میں شائع شدہ اس فتوے پر نہ تو حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ کا نام درج ہے،نہ ہی کسی دوسرے مفتی وفتویٰ

نویس کا نام اور تاریخ وغیرہ درج ہے، اس لئے ممکن ہے کہ وہ فتویٰ حضرت مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ کے علاوہ کسی دوسرے مفتی، یا دوسرے عالم کا تحریر فرمودہ ہو، اور وہ فتویٰ مفتی صاحب موصوف کی نظر سے نہ گذرا ہو۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس تکفیر کا مدار اس بات پر ہے، جس کی جواب میں تصریح موجود ہے کہ:

> ''موجودہ وقت میں پاکستان کے شیعہ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ''سب'' کو حلال، موجبِ ثواب سمجھتے ہیں، اس لئے یہ اسلام سے خارج ہیں، ان کا جنازہ پڑھنا جائز نہیں (فتاویٰ مفتی محمود، ج۳ص ۶۷، کتاب الجنائز، جمعیت پبلیکشنز، لاہور، اشاعتِ دوم، مئی ۲۰۰۲ء)

اور آگے باحوالہ آتا ہے کہ ''استحلالِ معصیت'' اگر تاویل پر مبنی ہو، تو محققین کے نزدیک اس کا کفر نہ ہونا راجح ہے۔ لہٰذا اس بنیاد پر جو قائدِ اعظم اور دوسرے اہلِ تشیع کی تکفیر گئی، وہ بھی راجح نہیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ سوال چونکہ جواب کے مطابق ہوا کرتا ہے، اور سوال میں اس بات کی صراحت ہے کہ قائدِ اعظم محمد علی جناح ''شیعہ تھے'' جبکہ سابقہ تصریحات سے قائدِ اعظم محمد علی جناح کا شیعہ اور کافر نہ ہونا معلوم ہو چکا، اور ایسی صورت میں اصل ذمہ داری سائل پر عائد ہوا کرتی ہے، جیسا کہ فتاویٰ مفتی محمود کے ہی ایک دوسرے فتوے سے واضح ہے۔

چنانچہ فتاویٰ مفتی محمود میں ایک سوال درج ہے، جس کے مطابق ایک مولوی صاحب کی طرف سے محمد علی جناح کو رافضی اسماعیلی فرقہ کے شیعہ قرار دینے کے متعلق سوال کیا گیا، جس کے جواب میں 11 رجب 1387ھ کو یہ تحریر کیا گیا کہ:

> جناح صاحب کے متعلق مولوی صاحب موصوف نے سوال میں درج جو باتیں اپنی معلومات کے مطابق کہی ہیں، مولوی صاحب موصوف ہی اس کے ذمہ دار ہیں (فتاویٰ مفتی محمود، ج۱۰، ص۳۲۴، باب الحظر والاباحۃ، بعنوان ''محمد علی جناح کو رافضی اور گناہ گار کہنا'' جمعیت پبلیکشنز، لاہور، اشاعت، مارچ ۲۰۰۸ء)

چوتھی بات یہ ہے کہ سلفی صاحب کی ناانصافی اور بے اعتدالی کا یہ عالم ہے کہ انہیں فتاویٰ مفتی محمود میں صرف ایک فتویٰ ہی اپنے مقصد اور غرض کا نظر آیا، جس کو انہوں نے بڑی جلدی سے نقل کر دیا، اور سلفی صاحب کو اپنے ہی ملک کے بانی ''قائدِ اعظم محمد علی جناح'' کو نعوذ باللہ تعالیٰ کافر

وغیر مسلم قرار دئے بغیر سکون نہ ملا،لیکن متعصب سلفی صاحب نے فتاویٰ مفتی محمود کے دوسرے بیسیوں مشروط ومعلق فتاویٰ کونظر انداز کردیا،جن میں سے ہم''فتاویٰ مفتی محمود'' کے چند اہم فتاویٰ کو ذیل میں نقل کرتے ہیں:

(1)......فتاویٰ مفتی محمود میں ایک سوال وجواب درجِ ذیل ہیں:

﴿س﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو شخص کلمہ طیبہ شریف،یعنی''لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ'' میں زیادتی کرے،یعنی''علی ولی اللہ وصی رسول اللہ'' وغیرہ کلمات بڑھائے،ایسا شخص مسلمان ہے،یا کہ کافر ہے،قرآن وحدیث کی روشنی میں فتویٰ جاری فرمادیں۔

﴿ج﴾ ایسا شخص گمراہ اور بے دین ہے،توبہ اور استغفار اس پر لازم ہے،اور کافر نہیں۔

فقط (فتاویٰ مفتی محمود،ج۱ص۲۴۶،کتاب العقائد،بعنوان''کلمہ طیبہ میں اضافہ کرنے والے کا حکم''جمعیت پبلیکشنز،لاہور،اشاعتِ پنجم جدید،جنوری ۲۰۱۱ء)

مذکورہ فتوے میں تمام شیعوں پر علی الاطلاق کفر کا حکم نہیں لگایا گیا،اور اس میں کلمہ میں اضافہ کرنے والے شیعہ کے کافر ہونے کی صاف نفی موجود ہے۔

(2)......فتاویٰ مفتی محمود میں ایک سوال کے جواب میں ہے کہ:

جو شیعہ قطعیاتِ اسلام میں سے کسی عقیدہ کا منکر نہ ہو،لیکن سبِ شیخین کرتا ہو،یا فضیلتِ علی رضی اللہ عنہا کا قائل ہو،تو وہ مسلمان ہے،لیکن مبتدع اور ضال ہے (فتاویٰ مفتی محمود،ج۱ص۲۶۶،کتاب العقائد،بعنوان''حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی خلافت کے منکر کا حکم'')

(3)......فتاویٰ مفتی محمود میں ایک اور سوال کے جواب میں شیعہ کے کفریہ اور غیر کفریہ عقائد کی تقسیم وتفصیل کے بعد تحریر کیا گیا کہ:

مسئولہ صورت میں اگر یہ (فوت ہونے والا) شیعہ پہلی قسم کا تھا،تو اس کی نمازِ جنازہ پڑھانا،ناجائز تھا،اور دوسری قسم کا تھا،تو جائز۔

باقی یہ ایک خاص واقعہ ہے کہ مولوی صاحب نے جس شیعہ کا جنازہ پڑھا ہے،وہ کس قسم

www.idaraghufran.org

کا تھا، اور مولوی صاحب نے کس بناء پر جنازہ پڑھا، تحقیق سے پتہ چل سکتا ہے۔ لہٰذا سوال میں مختلف قسم کے شیعوں کے بارے میں علیٰحدہ حکم کا تعین تحقیق کے بعد ظاہر ہے۔ فقط (فتاویٰ مفتی محمود، ج۱،ص۲۸۱، کتاب العقائد، بعنوان ''سنی امام نے تبرائی کا جنازہ پڑھایا'')

(4)...... فتاویٰ مفتی محمود میں ایک سوال کے جواب میں ہے کہ:

اگر سکون واطمینان سے شیعہ شخص نماز پڑھے، تو اس کو مسجد سے نہ روکا جائے، اور اگر ایسے طریقے پر نماز وغیرہ پڑھتا ہے، جس سے دوسروں کو تکلیف پہنچتی ہو، اور فتنہ کا باعث بنتا ہو، تو اس کو مسجد سے روک دیا جائے گا، فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حررہٗ عبداللطیف غفرلہٗ

الجواب صحیح: محمود عفا اللہ عنہ، مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان، ۲۵ ربیع الثانی ۱۳۸۷

(فتاویٰ مفتی محمود، ج۲ص۸۴، باب الامامت، بعنوان ''شیعہ کا سنیوں کی مسجد میں نماز پڑھنے کا حکم'')

مذکورہ فتاویٰ بھی سلفی صاحب کے مدعیٰ کے خلاف ہیں۔

(5)...... فتاویٰ مفتی محمود میں ایک سوال کے جواب میں ہے کہ:

شیعہ دو قسم کے ہیں، ایک وہ جن کے عقائد، حدِ کفر تک پہنچ گئے ہوں، جیسے قرآن میں تحریف کے قائل ہوں، یا حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر قذف (تہمت) باندھتے ہوں، وغیرہ، ایسے شیعہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ اور ایسے شخص کی جنازہ کی نماز اصلاً درست نہیں، کیونکہ نمازِ جنازہ کی شرائط میں میت کا مسلمان ہونا بھی ہے۔

دوسرے وہ جن کے عقائد، حدِ بدعت تک پہنچے ہوں، جیسے کہ وہ جو سبِ شیخین کرتے ہوں، وغیرہ، اس کا یہ حکم ہے کہ اگر اس کے جنازہ کی نماز کسی نے نہ پڑھی ہو، تب تو پڑھ لینی چاہیے، کیونکہ جنازہ مسلم کی نماز فرض علی الکفایہ ہے، اور اگر کسی نے پڑھ لی ہو، مثلاً اس کے ہم مذہب لوگ موجود ہیں، اور وہ پڑھ لیں گے، تو اس صورت میں اہلِ سنت ہرگز نہ پڑھیں (فتاویٰ مفتی محمود، ج۳ص۵۴، ۵۵، کتاب الجنائز)

(6)...... فتاویٰ مفتی محمود میں ایک سوال کے جواب میں ہے کہ:

شیعہ اگر کسی سنی مسلمان کے جنازہ میں شریک ہوتا ہے، تو اس کو شرکت سے وجوباً نہ

روکا جائے، کیونکہ نمازِ جنازہ فرضِ کفایہ ہے،اور شیعوں کے کفر میں تفصیل ہے،اور کچھ اختلاف بھی ہے۔فقط۔واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ مفتی محمود، ج۳ص۵۹، کتاب الجنائز)

(7)......فتاویٰ مفتی محمود میں ایک سوال کے جواب میں ہے کہ:

''بیع وشراء ،شیعہ کے ساتھ جائز ہے۔ایسے بھی دیگر معاملات ان سے کرنا صحیح ہیں۔البتہ ان کے اعتقادات اور بدعات سے نفرت کرنی چاہیے۔البتہ اگر شیعہ ایسے عقائد رکھتا ہو،،جس سے کفر وارتداد لازم آ تا ہو،تو اس سے بیع وشراء کرنا جائز نہیں،لیکن علی العموم شیعہ پر حکمِ ارتداد نہیں لگایا جاسکتا،البتہ فاسق ومبتدع ضرور ہیں،لہٰذا شخصِ مذکور پر اس خرید وفروخت وتبادلہ اراضی کی وجہ سے بائیکاٹ کرنا صحیح نہیں۔واللہ اعلم۔محمود عفا اللہ عنہ،مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان،۲۵ ذوالحجہ۱۳۷۲ھ

(فتاویٰ مفتی محمود، ج۸،ص۲۴۸، کتاب البیوع)

(8)......فتاویٰ مفتی محمود میں ایک اور سوال کے جواب میں ہے کہ:

جو شیعہ امورِ دین میں سے کسی مسئلہ ضروریہ کا منکر ہو،مثلاً حضرت علی رضی اللہ عنہ کی الوہیت کا قائل ہو،یا جبریل علیہ السلام کے وحی لانے میں غلطی کا قائل ہو،یا صحبتِ صدیق کا منکر ہو،یا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان باندھتا ہو،وہ کافر ہے،اور اس کا ذبیحہ حلال نہیں۔

اور جو ایسا نہیں،اس کا ذبیحہ حلال ہے (فتاویٰ مفتی محمود، ج۹،ص۱۵۵، ذبح،قربانی اور عقیقہ کا بیان)

(9)......فتاویٰ مفتی محمود میں ایک اور سوال کے جواب میں تحریر کیا گیا کہ:

شیعہ اگر امورِ دین میں سے کسی مسئلہ ضروریہ کا منکر ہو،تو وہ کافر ہے،اور ایسے شیعہ کا نمازِ جنازہ پڑھانا جائز نہیں، گناہ ہے،لیکن جنازہ پڑھانے سے،یا جنازہ میں شریک ہونے کے ساتھ کسی کا نکاح نہیں ٹوٹتا،سب کے نکاح بدستور باقی ہیں،امام نے لاعلمی میں ایسا کیا ہے،اس کو توبہ تائب ہوجانا چاہیے،اس کی امامت جائز ہے۔

بہرحال نکاح سب کے باقی ہیں،کوئی شبہ نہ کیا جائے (فتاویٰ مفتی محمود، ج۱۰،ص۱۰۹)

www.idaraghufran.org

ان حالات میں فتاویٰ مفتی محمود کے صرف ایک فتوے کو مستدل بنانا، اور دوسرے بہت سے فتاویٰ کو نظرانداز کردینا، اور بانیِ پاکستان تک کے ایمان کے درپے ہونا مبنی برانصاف نہیں۔

اس کے بعد عرض ہے کہ ''فتاویٰ مفتی محمودؒ'' کے بعض فتاویٰ میں ''سبِ صحابہ کے استحلال'' کی وجہ سے کفر کا حکم لگایا گیا ہے، اور بعض فتاویٰ میں یہ بھی تحریر کیا گیا ہے کہ موجودہ وقت میں شیعہ پاکستانی، اکثر ایسے ہیں، جو حضرات صحابۂ کرام، خصوصاً شیخین رضی اللہ عنہما کو سبّ (العیاذ باللہ) دیتے ہیں، اور اسے حلال سمجھتے ہیں، نیز حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے متعلق ''افک'' کے قائل ہیں، پھر اس کے نتیجہ میں ان کی تکفیر کی گئی ہے۔

اور مذکورہ فتاویٰ میں ان اسبابِ تکفیر کا ذکر نہیں، جن کو سلفی صاحب تکفیر کے اہم اسباب سمجھتے ہیں۔

فتاویٰ مفتی محمود میں ذکر کردہ مذکورہ توجیہات کے سلسلہ میں عرض ہے کہ اگرچہ ''استحلالِ حرام'' کی وجہ سے بعض نے علی الاطلاق تکفیر کی ہے، لیکن محققین حنفیہ کی تصریح کے مطابق ''کسی حرامِ قطعی کے استحلال'' کی وجہ سے، تکفیر کا حکم اس وقت لگتا ہے، جبکہ وہ تاویل کے بغیر ہو، ورنہ تو ''سب وشتم'' سے بڑھ کر، صحابہ کی تکفیر، اور ان سے قتال کو عبادت وثواب سمجھنے کا قول، خوارج نے بھی کیا ہے، لیکن چونکہ وہ تاویل پر مبنی ہے، اگرچہ وہ تاویل فاسد ہے، اس لیے جمہور محققین نے ان خوارج کی تکفیر نہیں کی۔ چنانچہ علامہ ابنِ نجیم ''البحر الرائق'' میں فرماتے ہیں:

ترجمہ: یہ فروع جو فتاویٰ میں تکفیر سے متعلق منقول ہیں، یہ فقہائے مجتہدین سے منقول نہیں، اور بس اُن سے تو، ان لوگوں کی عدمِ تکفیر منقول ہے، جو ہمارے اہلِ قبلہ میں سے ہیں، یہاں تک کہ ان مجتہدین نے اُن خوارج پر بھی تکفیر کا حکم نہیں لگایا، جو مسلمانوں کے خونوں اور مالوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے سب وشتم کو حلال سمجھتے ہیں، کیونکہ وہ تاویل اور شبہ کی وجہ سے ہے، اور غیر مجتہدین کے قول کا اعتبار نہیں (البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ج۱،ص۳۷۱، کتاب الصلاۃ، باب الإمامۃ)

علامہ ابنِ نجیم ''البحر الرائق'' میں ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

لا نكفر الخوارج باستحلال الدماء والأموال لتأويلهم وإن كان باطلا بخلاف المستحل بلا تأويل(البحر الرائق، ج۵، ص ۱۵۱، کتاب السیر، باب البغاۃ)

www.idaraghufran.org

ترجمہ: ہم خوارج کی تکفیر نہیں کرتے، خونوں اور مالوں کو حلال سمجھنے کی وجہ سے، کیونکہ اُن کی طرف سے تاویل پائی جاتی ہے، جو اگرچہ باطل ہے(لیکن تکفیر کے لیے مانع ہے) بخلاف اس شخص کے، جو بغیر تاویل کے حلال سمجھتا ہو(البحرالرائق)

اور علامہ ابنِ عابدین شامی''ردُّالمحتار''میں فرماتے ہیں:

ترجمہ:''ماتن کا یہ کہنا کہ تاویل سے ہونے کی وجہ سے'' یہ علت ہے، اس کی بناء پر کافر قرار نہ دیے جانے کی، محقق ابنِ ہمام نے''التحریر''کے اواخر میں فرمایا کہ بدعتی کا جہل جیسا کہ معتزلہ کا، جو کہ صفاتِ زائدہ کے ثبوت، اور عذابِ قبر اور شفاعت، اور رؤیتِ باری کے مانع، اور مرتکبِ کبیرہ کے اسلام سے خروج کے قائل ہیں، یہ عذر بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا، کیونکہ کتاب اللہ اور سنتِ صحیحہ کے دلائل سے یہ امور واضح ہیں، لیکن تکفیر نہیں کی جائے گی، کیونکہ اس کا تمسک قرآن، یا حدیث، یا عقل سے ہے، اور اہلِ قبلہ کی تکفیر کی ممانعت بھی آئی ہے، اور اس بات پر(اصحابِ حنفیہ کا) اجماع ہے کہ ان کی شہادت قبول کر لی جائے گی، اور کافر کی مسلمان کے خلاف گواہی کے کوئی معنیٰ نہیں، اور خطابیہ کی گواہی کا قبول نہ ہونا، ان کے کفر کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنی رائے کے موافق کے حق میں جھوٹی گواہی کو دین سمجھنے، یا اس کو حق پر سمجھنے کی بناء پر حلف اٹھانے کی وجہ سے ہے(ردالمحتار، ج۱،ص۵۶۱، کتاب الصلاۃ، باب الإمامۃ)

اور علامہ ابنِ عابدین شامی''ردُّالمحتار''میں ایک مقام پر فرماتے ہیں:

ترجمہ: اور کسی نے بھی ان مذکورہ لوگوں کی گواہی قبول نہ ہونے کی علت میں کفر کا ذکر نہیں کیا، جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں، البتہ انہوں نے خطابیہ کو اس لیے مستثنیٰ کیا ہے کہ وہ اپنی جماعت، یا حلف اٹھانے والے کے لیے جھوٹی گواہی کے قائل ہیں(جس کی بناء پر ان کی گواہی قبول نہ ہوگی، لیکن تکفیر پھر بھی نہیں کی جائے گی) اور اسی طریقہ سے محدثین نے بھی اس بات کی وضاحت کی ہے کہ اہلِ ہواء کی روایت قبول کر لی جائے گی، اور یہ حکم اس شخص کو بھی شامل ہے، جو علی العموم صحابہ پر سبّ وشتم کرتا ہے، اور فاسد

www.idaraghufran.org

تاویل کی بنا پر ان کی تکفیر کرتا ہے۔

پس مذکورہ حوالہ جات سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ خلاصہ میں جو کافر ہونے کا حکم مذکور ہے، وہ ضعیف قول ہے، جو متون اور شروح کے مخالف ہے، بلکہ وہ اجماعِ فقہاء کے بھی مخالف ہے، جیسا کہ آپ سن چکے ہیں (ردالمحتار، ج۴ص۲۳۷، کتاب الجہاد)

نیز علامہ ابنِ عابدین شامی''ردُّالمحتار''میں ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

ترجمہ: ماتن کا یہ قول کہ''بخلاف اس شخص کے، جو تاویل کے بغیر حلال سمجھتا ہو'' اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص، مسلمانوں کے خونوں کو، اور ان کے مالوں کو، اور اس جیسی دوسری قطعی التحریم چیزوں کو بغیر تاویل کے حلال سمجھتا ہو (ردالمحتار، ج۴ص۲۶۳، کتاب الجہاد، باب البغاۃ)

اس کے علاوہ''استحلال'' کا تعلق''عقیدہ اور قلب'' سے ہے، نہ کہ''عمل'' سے، ورنہ تو جو گناہ موجودہ دور و معاشرہ میں عام ہوگئے ہیں، اور اکثر لوگ ان کا بلا تأمل و تردد ارتکاب کرتے ہیں، بلکہ بعض تو اپنی جہالت کی وجہ سے ان کو گناہ بھی نہیں سمجھتے، ان پر بھی یہی حکمِ کفر عائد ہونا چاہیے۔

جہاں تک''افکِ عائشہ'' کا تعلق ہے، تو اگر کوئی شخص واقعتاً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر اس مخصوص ''افک'' کا قائل ہو، جس کی برائت، قرآن مجید سے ثابت ہے، تو بیشتر فقہاء نے اس پر تکفیر کا حکم لگایا ہے، لیکن یہ حکم اس پر موقوف ہے کہ وہ شخص، واقعتاً اس کا قائل ہو۔ اور رہا یہ کہ موجودہ وقت میں شیعہ پاکستانی، اکثر ایسے ہیں، جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے متعلق''افک'' کے قائل ہیں، تو یہ بھی اس پر موقوف ہے کہ جبکہ واقعتاً ایسا ہو، اور جس کے علم کے مطابق ایسا نہ ہو، تو وہ اس حکم کا مکلّف نہیں۔ اسی لیے''فتاویٰ مفتی محمود'' کے بعض فتاویٰ میں شخصی واقعہ پیش آنے کی صورت میں شرعی طریقہ سے خوب تحقیق کیے جانے، اور اس شخص کے عقائد کے بارے میں خوب تحقیق کے بعد، جو بات صحیح ثابت ہو، اس کے مطابق عمل کرنے کا حکم لگایا گیا ہے۔

اور بالفرض اگر اکثر شیعہ ایسے ہوں، جو''افکِ عائشہ'' کے قائل ہوں، تو ان کی وجہ سے دنیا جہان کے''جملہ اہلِ تشیع'' پر تکفیر کا یہ حکم عائد کرنا، پھر بھی درست نہیں ہوگا۔

www.idaraghufran.org

تحریفِ قرآن، تحفۂ اثنا عشریہ، وعلامہ ابنِ حزم کا حوالہ

سلفی صاحب نے اپنے مضمون میں حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ کی ''تحفہ اثناعشری'' کی ایک عبارت نقل کی ہے، جس میں شیعوں کے تحریفِ قرآن کے قائل ہونے کا ذکر ہے۔

اوراس کے بعد سلفی صاحب نے مولانا محمد منظور نعمانی صاحب رحمہ اللہ کے حوالہ سے علامہ ابنِ حزم ظاہری کی ایک عبارت ''امامیہ'' کے تحریفِ قرآن کا قائل ہونے کی نقل کی ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے تو عرض ہے کہ شیعہ اورامامیہ سے، ان کے جملہ فرقے مرادنہیں۔

اوراس طرح کے مواقع پر بعض اوقات ایک عام نسبت کردی جایا کرتی ہے، اوراس سے مخصوص افراد، یا فرقے مراد ہوا کرتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ خود حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ نے ''امامیہ'' کی تکفیر میں اختلاف کا اعتراف فرمایا ہے۔ چنانچہ ''تحفہ اثناعشری'' میں شیعہ وروافض کی تفصیل کے بعد حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> معلوم شدکہ تکفیروحکمِ ارتدادِشیعہ بلااختلاف منطبق است برحال ''غلاۃ وکیسانیہ واسماعیلیہ'' اما زیدیہ وروافض کہ خودرا امامیہ میگویند، درتکفیرآنہا اختلاف است، والحق التفضیل، وسیجیئ ان شاءاللہ تعالیٰ۔ وغلاۃ وکیسانیہ وزیدیہ وروافض یعنی امامیہ، نیزمفترق اند بفرق بسیارکہ تعداداسامی ومذاہب آنہادر''ملل ونحل'' ودیگرکتب مبسوط می شود (تحفہ اثناعشری فارسی، ص ۱۷، باب اول درکیفیت حدوث مذہب تشیع وانشعاب آن بفرقہ مختلفہ، ناشر: مطبع منشی نول کشور، لکھنؤ)

ترجمہ: معلوم ہوا کہ ارتداد کا حکم اور تکفیر بلا اختلاف ''غلاۃ، اور کیسانیہ اور اسماعیلیہ'' پر منطبق ہوتا ہے۔ جہاں تک ''زیدیہ اور روافض'' کا تعلق ہے، جو خود کو ''امامیہ'' کہتے ہیں، ان کی ''تکفیر'' میں اختلاف ہے، اس میں حق بات یہ ہے کہ ان کو باہم ایک دوسرے پر فضیلت ہے، اس کا بیان ان شاء اللہ آگے آئے گا۔ اور ''غلاۃ، کیسانیہ، زیدیہ'' اور ''روافض یعنی امامیہ'' بھی مختلف فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں کہ جن کے ناموں اور مذہبوں کی تعداد ''الملل والنحل'' اور دیگر کتب میں مفصلاً مذکور ہے (تحفۂ اثناءعشری)

www.idaraghufran.org

اورہم یہ بات دوسرے مقام پر باحوالہ ذکر کر چکے ہیں کہ ’’تکفیر‘‘ میں اختلاف کی وجہ بعض اسباب کا، بعض کے نزدیک باعثِ تکفیر ہونا، اور بعض کے نزدیک باعثِ تکفیر نہ ہونا ہے۔ پس اگر تحریفِ قرآن کا عقیدہ تمام شیعہ وروافض اورامامیہ کا ہوتا، توان کی تکفیر میں اختلاف کیونکر ہوتا؟

اور علامہ ابنِ حزم نے جن’’امامی اثنا عشری‘‘ حضرات کا تحریفِ قرآن کے قائلین سے استثناء کیا ہے، موجودہ جمہور اثنا عشریہ اس مسئلہ میں ان ہی کے متبع ہیں، اور بہت سے متقدمین حضرات کے نزدیک، امامیہ کا مفہوم، اثنا عشریہ کے مقابلہ میں عام ہے، علامہ ابنِ حزم نے بھی’’امامیہ‘‘ کے مختلف مذاہب کا ذکر کیا ہے(ملاحظہ ہو:الفصل فی الملل والأھواء والنحل، ج۴ص ۱۴۰،ذکر شنع الشیعة)

اور بعض کے نزدیک’’امامیہ‘‘ کے مفہوم میں اسماعیلیہ بھی داخل ہیں، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ علامہ ابنِ حزم (المتوفیٰ:456ھ) نے ہی’’ألمحلیٰ بالآثار‘‘ میں فرمایا کہ:

> قوم من الروافض ادعوا أنه نقص منه(المحلی بالآثار، ج۱۲، ص ۴۳۵)
>
> ترجمہ: روافض میں سے بعض لوگوں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ قرآن مجید میں کمی کردی گئی(محلی)

اس عبارت میں بھی علامہ ابنِ حزم نے تنقیصِ قرآن کے دعوے کی نسبت بعض روافض کی طرف کی ہے۔

اور علامہ ابنِ حزم اپنی تالیف’’ألاحکام فی أصول الأحکام‘‘ میں اس مسئلہ کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> وإنما خالف فی ذلک قوم من غلاة الروافض هم کفار بذلک مشرکون عند جمیع أهل الإسلام ولیس کلامنا مع هؤلاء (الإحکام فی أصول الأحکام، ج ۱ ص ۹۶، الباب العاشر فی الأخذ بموجب القرآن)
>
> ترجمہ: اور بس اس کے مخالفت غالی روافض کے کچھ لوگوں نے کی ہے، اور وہ اس کی وجہ سے کافر ومشرک ہیں، تمام اہلِ اسلام کے نزدیک، اور ہمارا کلام ان لوگوں سے نہیں ہے(الاحکام)

اور علامہ ابنِ حزم ظاہری نے اپنی تالیف’’الفصل فی الملل والاھواء والنحل‘‘ میں فرمایا:

> وأما القائلون بأن الإمامة لا تکون إلا فی ولد علی رضی الله عنه فإنهم

www.idaraghufran.org

انقسموا قسمين فطائفة قالت أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نص على علي بن أبي طالب أنه الخليفة وأن الصحابة بعده عليه السلام اتفقوا على ظلمه وعلى كتمان نص النبي صلى الله عليه وسلم وهؤلاء المسلمون الروافض (الفصل في الملل والأهواء والنحل، ج۴ص ۷۶،الكلام في الإمامة والمفاضلة بين الصحابة)

ترجمہ: اور جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد کے ساتھ خاص ہے، تو وہ دوقسموں میں منقسم ہوگئے۔ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہونے کی تصریح فرمائی تھی، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ ان کے ظلم اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تصریح کو چھپانے پر متفق ہوگئے، اور یہ مسلمان روافض ہیں (الفصل فی الملل)

مذکورہ عبارت میں علامہ ابنِ حزم نے ''امامیہ روافض'' کو صاف طور پر ''هؤلاء المسلمون الروافض ''فرمایا ہے۔

اگر تمام شیعہ، یا تمام امامیہ واثناعشریہ کا یہ عقیدہ ہوتا، تو مذکورہ حکم لگانے کے کیا معنیٰ ہوتے۔

علامہ ابنِ حزم ظاہری کے ''روافض وشیعہ'' کے متعلق موقف پر، تفصیلی کلام ہم نے مستقل باب کے تحت، اپنے دوسرے مضمون ''اہلِ تشیع کی تحقیق وتکفیر'' میں کردیا ہے، جس میں یہ بھی واضح کردیا گیا ہے کہ اس سلسلہ میں ابنِ حزم ظاہری کے مقابلہ میں دیگر محققین اہلُ السنۃ وحنفیہ کا موقف راجح ہے، اس سلسلے میں علامہ ابنِ حزم سے پہلے، ابوالحسن اشعری (المتوفیٰ: 324ھ) کا موقف آگے آتا ہے، جس میں شیعہ وروافض کے تحریفِ قرآن پر اتفاق نہ ہونے کی تصریح ہے۔

اور حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ کی ''تحفہ اثناعشریہ'' کی جو عربی زبان میں تلخیص، علامۃ العراق ''محمود شکری آلوسی'' نے کی ہے، جس کا نام ''مختصر التحفة الا ثنى عشرية ''ہے، اس میں علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

قال الجد (اى صاحب تفسير روح المعانى)روّح الله روحَه فى كتابه (نهج السلامة) بعد عدِّه فرق الإمامية :ثم اعلم أن الاثنى عشرية المعروفين اليوم على علاتهم فى الاعتقادات أهون شرا بكثير من كثير

www.idaraghufran.org

من فرق الإمامية وسائر الشيعة، فهم في معظم الاعتقاديات متطفلون على المعتزلة وقول الخواجة نصير الدين الطوسي المتكلم -على ما نقله عنه تلميذه ابن المطهر الحلي - أنهم مخالفون لجميع الفرق في ذلک مما يتعجب منه المطلع على اعتقاداتهم(مختصر التحفة الاثنى عشرية، ص ۲۲، الباب الأول في ذكر فرق الشيعة وبيان أحوالهم وكيفية حدوثهم وتعداد مكائدهم، فرق الشيعة الإمامية ، الجعفرية)

ترجمہ: میرے دادا صاحبِ تفسیر روح المعانی قدس اللہ سرہٗ نے اپنی کتاب ''نہج السلامۃ'' میں ''امامیہ'' کے چندفرقوں کا شمار کرنے کے بعدفرمایا کہ پھر یہ بات جان لینی چاہیے کہ موجودہ دور میں جو''اثنا عشریہ'' معروف ہیں، وہ علاقی اعتقاد میں بہت سے ''امامیہ'' فرقوں اورتمام ''شیعوں'' سے شر کے اعتبار سے اھوَن ، یعنی ہلکے ہیں، پس یہ اپنے بڑے اعتقادات میں معتزلہ پر بھروسہ کرتے ہیں،اور متکلم خواجہ نصیر الدین طوسی کے قول پر بھروسہ کرتے ہیں،جیسا کہ اس بات کو ان کے تلمیذ ابنِ مطہر حلی نے نقل کیا ہے، کہ وہ اس سلسلے میں دوسرے تمام فرقوں کے مخالف ہیں،جن کے اعتقادات پر مطلع ہونے والے کو تعجب ہوتا ہے (مختصر التحفۃ الاثنی عشریۃ)

علاوہ ازیں عقائد و اصول کے سلسلہ میں اہلُ السنۃ کے اہم ترجمان ابوالحسن اشعری (المتوفیٰ: 324ھ) نے اپنی معرکۃُ الآراء تالیف ''مقالاتُ الاسلامیین واختلاف المصلین'' میں فرقِ باطلہ اور ''اهل الاهواء واهل البدعة'' روافض، خوارج، مرجئۃ، مجسمۃ، معتزلۃ وجہمیۃ اور ان کے نظریات وافکار پر مفصل کلام کیا ہے،اور اس میں شیعہ کے فرقوں کو ''زیدیہ، رافضہ وامامیہ، اورغالیہ'' کی طرف تقسیم فرمایا ہے۔

چنانچہ ابوالحسن اشعری نے ''مقالاتُ الاسلامیین'' میں فرمایا کہ:

فالشيع ثلاثة أصناف وإنما قيل لهم الشيعة لأنهم شيعوا علياً –رضوان الله عليه– ويقدمونه على سائر أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم .فمنهم غالية الشيع خمسة عشرة فرقة:فمنهم الغالية وإنما سموا الغالية لأنهم غلوا في علي وقالوا فيه قولاً عظيماً وهم خمس

www.idaraghufran.org

عشرة فرقة(مقالات الاسلاميين ، ج ا ص ٢٥ ، هذا ذكر الاختلاف،أمهات الفرق)

ترجمہ: شیعہ کی تین اصناف ہیں، اور اُن کو شیعہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حمایت کی، اور اُن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ پر مقدم کیا۔ پس ان میں سے پہلی صنف ''غالی شیعہ'' کی ہے، جن کے پندرہ فرقے ہیں۔اوران کا ''غالیہ'' نام اس لیے رکھا گیا کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں غلو اختیار کیا ، اور ان کے متعلق عظیم قول کیا، اور ان کے پندرہ فرقے ہیں (مقالات الاسلامیین)

اس کے بعد ابوالحسن اشعری نے ''رافضہ'' سے ''امامیہ'' کو مراد لیا ہے، اوران کے چوبیس فرقوں کا ذکر کیا ہے، جن میں بالمعنیٰ ''اسماعیلیہ'' کو بھی داخل مانا ہے، چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ:

''شیعہ کی دوسری صنف ''رافضہ امامیہ'' کی ہے، جن کا نام ''رافضہ'' اس لیے رکھا گیا کہ انہوں نے حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی امامت کو ترک ونظرانداز کردیا۔

اوران کا عقیدہ یہ ہے کہ امام کے لئے ضروری ہے کہ وہ دوسروں سے افضل ہو، البتہ کاملیہ نے جو کہ ابوکامل کے اصحاب ہیں، انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سمیت تمام لوگوں کی تکفیر کی ہے، حضرت علی کی اس لئے کہ انہوں نے اپنے حق کو ترک کیا، اور دوسرے لوگوں کی اس لئے کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حقِ تقدم ادا نہیں کیا۔اور ''رافضہ'' کے سوائے کاملیہ کے چوبیس فرقے ہیں، جو سب علی رضی اللہ عنہ کی امامت کے قائل ہیں''۔

(ملاحظہ ہو:مقالات الاسلاميين ، ج ا ص ٣٣، ٣٤، هذا ذكر الاختلاف،أمهات الفرق،الرافضة الإمامية أربع وعشرون فرقة)

اورابوالحسن اشعری نے ''مقالات الاسلاميين ''میں قرآن مجید میں زیادتی ونقص کے بارے میں روافض، جن سے اُن کے نزدیک ''امامیہ'' مراد ہیں، اوران میں ''اسماعیلیہ'' اوران کی دوسری شاخیں بھی داخل ہیں، مجموعی طور پر ان کے تین فرقوں کا ذکر فرمایا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

''روافض'' کا ایک فرقہ صرف نقص کا قائل ہے، زیادتی کا قائل نہیں۔

www.idaraghufran.org

اور''روافض'' کا دوسرا فرقہ زیادتی کے جواز اور نقص کے عدمِ جواز کا قائل ہے۔

اور''روافض'' کا تیسرا فرقہ، جواعتزال وامامت کا قائل ہے، وہ قرآن مجید میں نقص اور زیادتی، کسی چیز کا عقیدہ نہیں رکھتا، اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کئے گئے قرآن مجید میں کسی تبدل وتغیر کا قائل نہیں، اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کئے گئے قرآن کے اسی حالت پر برابر قائم رہنے کا قائل ہے''۔ [1]

ہمارے نزدیک عقائد کے باب میں علامہ ابنِ حزم ظاہری کے مقابلے میں، ابوالحسن اشعری کا قول راجح ہے، جو اصول وعقائد میں اہلُ السنۃ کے ایک امام شمار ہوتے ہیں، جب ابوالحسن اشعری نے اپنے زمانہ میں اس مسئلہ کے متعلق اختلاف کو واضح فرمادیا، تو اس کے سو سال بعد علامہ ابنِ حزم ظاہری کی طرف سے اتفاق کا دعویٰ، کیسے معتبر ہوسکتا ہے؟

علامہ ابنِ عابدین شامی''ردالمحتار''کے''مقدمة''میں فرماتے ہیں کہ:

وهو ما عليه أهل السنة والجماعة وهم الأشاعرة والماتريدية، وهم متوافقون إلا في مسائل يسيرة أرجعها بعضهم إلى الخلاف اللفظي كما بين في محله(رد المحتار على الدر المختار، ج ١، ص ٤٩، مقدمة)

ترجمہ: اور اسی پر اہلُ السنۃ والجماعۃ ہیں، جو کہ اشاعرہ اور ماتریدیہ ہیں، اور وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ متفق ہیں، سوائے چند مسائل کے، جن کو بعض نے اختلافِ لفظی قرار دیا ہے، جیسا کہ اپنے مقام پر بیان کردیا گیا ہے (ردالمحتار)

نعمان بن محمد آلوسی بغدادی (المتوفیٰ: 1317ہجری) نے اپنی تالیف''الجوابُ الفسیح لما

---

[1] قول الروافض فى القرآن :هل زيد أو نقص منه؟

واختلفت الروافض فى القرآن هل زيد فيه أو نقص منه.وهم ثلاث فرق:

فالفرقة الأولى منهم يزعمون أن القرآن قد نقص منه وأما الزيادة فذلک غير جائز أن يكون قد كان وكذلک لا يجوز أن يكون قد غير منه شيء عما كان عليه فأما ذهاب كثير منه فقد ذهب كثير منه والإمام يحيط علماً به .(فى أصل المخطوط بياض بالأصل إلا أنه محقق الطبعة الألمانية أشار إلى هامش ح يتضمن عبارة" :وهم الذين يجوزون الزيادة ولا يجوزون النقص منه)

والفرقة الثالثة منهم وهم القائلون بالاعتزال والإمامة يزعمون أن القرآن ما نقص منه ولا زيد فيه على ما أنزل الله تعالى على نبيه عليه السلم لم يغير ولم يبدل ولا زال عما كان عليه(مقالات الإسلاميين واختلاف المصلين، ج ١، ص ٥٥، مقالات الروافض، قول الروافض فى القرآن :هل زيد أو نقص منه؟)

www.idaraghufran.org

لفقة عبدالمسیح‘‘میں فرمایا:

وأما ما عليه جمهور علماء الشيعة الإمامية الاثنى عشرية أن القرآن المجيدة محفوظ عن التغيير والتبديل، والموجود الآن هو الذى انزل على سيد ولد عدنان من غير زيادة ولا نقصان، واما من زعم منه غير هذا فقولهٔ مردود، غير مقبول عندهم ايضاً (الجوابُ الفسيح لما لفقهٔ عبدالمسيح، المجلد الثانى، ص ۱۳۴، كلام النصرانى فى كتابة القران بعد موت النبى، الفصل الثانى، مطبوعة: دار البيان العربى بالقاهرة، تاريخِ طبع: 1978ء)

ترجمہ:اور جس بات پر جمہور علمائے شیعہ امامیہ اثنا عشریہ ہیں، وہ یہ ہے کہ قرآن مجید تغییر اور تبدیل سے محفوظ ہے، اور اس وقت میں موجود وہی قرآن ہے، جو سیدِ ولدِ عدنان پر نازل کیا گیا، بغیر زیادتی اور کمی کے، اور جس نے اس کے برخلاف گمان کیا، تو اس کا قول مردود ہے، ان جمہور علمائے شیعہ امامیہ اثنا عشریہ کے نزدیک بھی مقبول نہیں (الجوابُ الفسیح)

پھر نعمان بن محمد آلوسی بغدادی نے اہلِ تشیع کے چند حوالہ جات وعبارات نقل کرنے کے بعد فرمایا:

فظهر أن المذهب المرضىٰ المحقق عند علماء الفرقة الإمامية أن القرآن الذى انزل على النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم هو ما بين الدفتين وهو ما فى أيدى الناس ليس بأكثر من ذلك، وأنه كان مجموعاً مؤلفاً فى عهد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، وحفظه ونقله ألوف من الصحابة وجماعة من الصحابة كعبد الله بن مسعود وأبى بن كعب وغيرهما ختموا القرآن على النبى عليه الصلاة والسلام عدة ختمات وأنهٔ يظهر القرآن ويشتهر بهذا الترتيب عند ظهور الإمام الثانى عشر رضى الله تعالىٰ عنه. والشرذمة الندرة قالت بوقوع التغيير لا اعتداد بها، و قد رد العلماء اقوالها و الأخبار الضعيفة لا يرجع عليها عن المعلوم المقطوع بصحته و هذا حق لأن خبر الواحد إذا اقتضى علماً ولم يوجد فى الأدلة القاطعة ما يدل عليه وجب رده، على ما صرح به ابن المطهر الحلى فى كتابه المسمى ”بمبادء الوصول إلى علم الأصول“ ، وقد قال الله تعالى: إنا نحن نزلنا الذكر

وإنا له لحافظون. وفي تفسير الصراط المستقيم الذی هو تفسير معتبر عند علماء الشيعة ”أی إنا لحافظون له من التحريف والتبديل والزيادة والنقصان (الجوابُ الفسيح لما لفقهٗ عبدالمسيح، المجلد الثانی، ص ۱۳۵ الٰی ۱۳۶، كلام النصرانی فی كتابة القران بعد موت النبی، الفصل الثانی، مطبوعة: دار البيان العربی بالقاهرة، تاريخِ طبع: 1978ء)

ترجمہ: پس اس سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ امامیہ فرقہ کے علماء کے نزدیک مذہبِ مرضیٰ محقق یہ ہے کہ جوقرآن نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پرنازل کیا گیا، وہ ”دفتین“ کے درمیان ہے، اور وہی آج کے دور میں لوگوں کے ہاتھوں میں ہے، اس سے زیادہ نہیں ہے، اور یہی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہد میں جمع اور تالیف شدہ تھا، اور اسی کو ہزاروں صحابہ، اور صحابہ کی جماعت نے محفوظ اور نقل کیا، جیسا کہ عبداللہ بن مسعود اور اُبی بن کعب وغیرہما نے، جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بہت سے قرآن ختم کیے، اور اسی ترتیب کے ساتھ قرآن بارہویں امام رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ظاہر ہونے کے وقت، ظاہر اور مشہور ہوگا۔

اور ایک چھوٹی جماعت نے تغییر واقع ہونے کا قول کیا ہے، جس کا اعتبار نہیں، اور علماء نے جو اس جماعت کے اقوال اور اخبارِ ضعیفہ کو نقل کیا ہے، اس کی طرف رجوع نہیں کیا جائے گا، رجوع صرف اس کی طرف کیا جائے گا، جس بات کی صحت یقینی طور پر معلوم ہے، اور یہی حق ہے، کیونکہ خبرِ واحد جب کسی علم کا تقاضا کرے، اور یقینی دلائل میں اس پر دلالت نہ پائی جائے، تو اس کا رَد کرنا واجب ہوتا ہے، جیسا کہ ابنِ مطہر حلی (امامی) نے اپنی کتاب ”مبادئُ الوصول إلى علم الأصول“ میں اس کی تصریح کی ہے، اور اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے کہ: ”**إنا نحن نزلنا الذكر وإنا له لحافظون**“

اور ”تفسیر صراطِ مستقیم“ جو علمائے شیعہ کے نزدیک معتبر تفسیر ہے، اس میں مذکورہ آیت کی تفصیل اس طرح کی گئی ہے کہ ”ہم یقینی طور پر اس قرآن کی تحریف اور تبدیل، اور زیادتی اور کمی سے حفاظت کرنے والے ہیں“ (الجوابُ الفسیح)

www.idaraghufran.org

اور برِصغیر کی معروف علمی شخصیت مولانا رحمتُ اللہ کیرانوی صاحب رحمہ اللہ نے بھی اپنی مشہورِ زمانہ تالیف ''اظھارُ الحق'' میں یہی تفصیل بیان فرمائی ہے۔

(ملاحظہ ہو: اظھار الحق ، ج ا ص ۴۳۸ الی ۴۳۹، الباب الخامس: فی إثبات کون القرآن کلام الله ومعجزاً ورفع شبهات القسيسين ،الفصل الرابع: فی دفع شبهات القسيسين الواردة على الأحاديث،الشبهة الاولى، طبع على نفقة :ادارة احياء التراث الاسلامی، الدوحه۔قطر)

چوتھی صدی ہجری کے ماہر فقیہ، محدث اور اہل السنۃ والجماعۃ کے متکلم اور اشاعرہ کے امام کا لقب پانے اور عراق میں مالکیہ کی ریاست کی انتہاء کو پہنچنے والے'' قاضی ابو بکر باقلانی مالکی'' (المتوفیٰ : 403ھ) نے ''تحریفِ قرآن'' کے عقیدہ کے بطلان پر ایک نہایت عمدہ کتاب ''الانتصار للقرآن'' کے نام سے تالیف فرمائی ہے، جس میں ایک مقام پر وہ فرماتے ہیں:

''تحریفِ قرآن کے بارے میں بعض شیعہ کا دعویٰ بہتان ہے، اور یہ بہتان شیعوں کے بعض غالی لوگوں نے گھڑا ہے، اسلافِ شیعہ میں سے کسی سے، اس بارے میں ایک حرف بھی منقول نہیں، اور اسی موقف پر آج تک خالص شیعہ، اور ان کے سوادِ اعظم قائم ہیں''۔

(ملاحظہ ہو:الانتصار للقرآن للباقلانی، ج ۲ ص ۴۶۴، باب ما روی من الآی المنسوخة ووجه القول فيها،فصل مما يدل على كذب الرافضة فی هذه الدعوی)

قاضی ابو بکر باقلانی، مذکورہ تالیف میں ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

''جو شیعہ قرآن مجید میں کمی زیادتی کے منکر ہیں، اور اسی دو لوحوں کے درمیان لکھے ہوئے قرآن کو حضرت علی اور ان کی اولاد ائمہ سے لیتے ہیں، اور اسی کو جمیع کتاب اللہ سمجھتے ہیں، اور وہ اسی کی قرائت وتلاوت کرتے ہیں، اور اسی کے قرآن ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں، وہ تعداد میں بہت زیادہ، اور مختلف علاقوں میں آباد ہیں، اسی موقف پر دوسرے تمام مسلمان ہیں، جن کا جھوٹ پر اتفاق محال ہے، اور تمہاری تعداد ان کے مقابلہ میں کم ہے''

(ملاحظہ ہو:الانتصار للقرآن،للباقلانی، ج ۲،ص ۴۸۳، ۴۸۴،باب ما روی من الآی المنسوخة ووجه القول فيها ،فصل مما يدل على كذب الرافضة فی هذه الدعوی)

مزید فرماتے ہیں:

''ان تحریف کے قائلین سے کہا جائے گا کہ تمہارا یہ کہنا کہ حضرت علی اور ان کی اولاد نے اس قرآن میں کمی اور تغییر کا قول کیا ہے، تو یہ محدث مذہب اور محدث قول ہے، اور شیوخِ

www.idaraghufran.org

شیعہ اور دوسرے حضرات زیادہ تعداد میں اور زیادہ اقدم ہیں، جو اس کے خلاف ہیں‘‘

(ملاحظہ ہو:الانتصار للقرآن،للباقلانی،ج۲،ص ۴۸۵،باب ما روی من الآی المنسوخة ووجه القول فیها ،فصل مما یدل علی کذب الرافضة فی هذه الدعوی)

قاضی ابوبکر باقلانی، مذکورہ تالیف میں ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

’’اور تمہارا یہ کہنا کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے دعوے کے مطابق، قرآن مجید کی ترتیب قائم کی تھی، جس کے اندر بعد میں تحریف کردی گئی، تو یہ پھس پھسا دعویٰ ہے، تم یقینی طور پر یہ بات جانتے ہو کہ ہم اور امت کے تمام فرقے، اور شیعوں کا بڑا اور اکثریتی طبقہ، اس مسئلے میں تمہارے مخالف ہے، اور ہمارے ساتھ ہے، جو سب اِس قرآن مجید کو تحریف اور تغییر اور نقصان سے محفوظ سمجھتے ہیں‘‘۔

(ملاحظہ ہو:الانتصار للقرآن،ج۲،ص ۵۱۳، ۵۱۴،باب ما روی من الآی المنسوخة ووجه القول فیها، دلیل لهم آخر فی تغییر المصحف وإفساد نظم القرآن، ووقوع الغلط والتحریف فیه)

نیز قاضی ابوبکر باقلانی، مذکورہ تالیف میں ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

’’پھر تحریفِ قرآن کے قائلین سے یہ کہا جائے گا کہ تمہاری مخالفت کرنے والے، امت کے تمام فرقوں نے، اور خاص طور پر جمہور شیعہ نے، یہ بات نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے اسی طرح قرآن مجید کو نازل فرمایا ہے، جو ہمارے صحیفوں میں ہے، اور ہم نے اس کو اسی طرح مرتب کیا ہے، اور وہ فرقے تم سے تعداد کے اعتبار سے بھی زیادہ ہیں، اور سند کے اعتبار سے بھی زیادہ صحیح ہیں، اور رجال کے اعتبار سے بھی زیادہ مضبوط ہیں، اُن تمام راویوں کے مقابلے میں، جن سے تم نے روایات لی ہیں، بلکہ تمہاری مخالفت کرنے والے شیعہ بھی، اس مذہب میں تمہارے مقابلے میں تعداد کے اعتبار سے زیادہ ہیں، اور زیادہ ثقہ ہیں، اور تمہارے مقابلے میں حق کے زیادہ قریب ہیں، اور کذب اور بہتان کی عار کے احتمال سے تمہارے مقابلے میں زیادہ خود دار اور غیرت مند ہیں‘‘۔

(ملاحظہ ہو:الانتصار للقرآن،ج۲،ص ۵۱۵،باب ما روی من الآی المنسوخة ووجه القول فیها، دلیل لهم آخر فی تغییر المصحف وإفساد نظم القرآن، ووقوع الغلط والتحریف فیه)

www.idaraghufran.org

اور سلفی صاحب نے اپنے مضمون میں جو حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ کسی بھی شخص کا رافضی اثنا عشری ہوکر، قرآن مجید پر ایمان نہیں رہ سکتا، تو اس سلسلہ میں ہم اُن کے بجائے، امام باقلانی اور علامہ آلوسی وغیرہ، جیسے محققین کے مذکورہ بالا موقف کو راجح سمجھتے ہیں۔

اور ''شیعہ اثناعشری'' کے مستند مراجع سے تحریفِ قرآن کا نہ ہونا، اور تحریف قرآن سے متعلق روایات کی تاویل کا ذکر، ہم اپنے دوسرے مضمون ''اہلِ تشیع کی تحقیق وتکفیر'' میں تفصیل کے ساتھ نقل کر چکے ہیں۔

اگر سلفی صاحب نے اس مسئلہ پر کلام کیا، تو ان شاء اللہ تعالیٰ ہم بھی ''اثناعشریہ کے مستند عقائد کے مراجع'' سے تصریحات نقل کریں گے، اور اس طرح کے ''اثناعشریہ کے مستند عقائد کے مراجع'' سے ہی ثبوت طلب کریں گے، اور اثناعشریہ کے علاوہ ''اسماعیلیہ'' یا دوسرے روافض کے فرقوں کے پیش کردہ حوالہ جات کی حقیقت بھی واضح کریں گے، جس پر الحمدللہ ہم مواد جمع کر چکے ہیں۔

رہا سلفی صاحب کا یہ کہنا کہ اُن کا کسی رافضی عالم سے تقریباً آٹھ سال، تحریفِ قرآن کے قائلین کی تکفیر کرنے کے مسئلہ پر مناظرہ چلتا رہا، تو سلفی صاحب کا یہ مناظرہ ''رافضی عالم'' سے تھا، جس کا ہم سے تعلق نہیں، ہم ان شاء اللہ تعالیٰ اس کا جواب جمہور اہلُ السنۃ والجماعۃ کی تصریحات کی روشنی میں دوٹوک انداز میں نقل کریں گے، جس کے لیے سلفی صاحب کو ان شاء اللہ تعالیٰ آٹھ سال کی زحمت ہرگز نہیں اٹھانا پڑے گی۔

اور ہم اس مسئلہ پر اپنے مضمون ''اہلِ تشیع کی تحقیق وتکفیر'' پر مستقل باب کے تحت باحوالہ کلام کر چکے ہیں۔

اور حضرت مولانا سرفراز خان صفدر صاحب رحمہ اللہ کے حوالہ سے ''متقدمین ومتاخرین میں شیعہ کی تعریف کے فرق'' اور ''شیعہ امامیہ کے فرقے، اور ناصر قفاری کے حوالے'' پر کلام آگے آتا ہے، جس میں سلفی صاحب کی علمی خیانتوں پر واضح روشنی ڈالی گئی ہے، جس سے ان شاء اللہ تعالیٰ واضح طور پر معلوم ہوجائے گا کہ سلفی صاحب علمی خیانتوں میں اپنی مثال آپ ہیں۔

www.idaraghufran.org

کیا آپ جانتے ہیں؟ مفتی محمد رضوان

دلچسپ معلومات،مفید تجزیات اور شرعی احکامات پر مشتمل سلسلہ

تکرارِ جنازہ وانتقالِ میت کی تحقیق (قسط6)

ابراہیم نخعی کی روایت

حضرت مغیرہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ إِبْرَاهِيمَ ، قَالَ :لاَ يُصَلَّى عَلَى الْمَيِّتِ مَرَّتَيْنِ(مُصنف ابن أبى شيبة ، رقم الحديث : ١٢٠٧٠ ،من كان لايرى الصلاة عليهااذا دفنت وقدصلى عليها)

ترجمہ:ابراہیم نخعی نے فرمایا کہ میت پر دومرتبہ نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جائے گی(ابنِ ابی شیبہ)

ابراہیم نخعی کا شمار جلیل القدر تابعین میں ہوتا ہے،ان کی مذکورہ روایت سے دوبارہ نمازِ جنازہ نہ پڑھنے کا موقف اختیار کرنے والے حضرات کے قول کی تائید ہوتی ہے۔

حسن بصری کی روایت

حضرت ابوحرہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ الْحَسَنِ ، أَنَّهُ كَانَ إِذَا سُبِقَ بِالْجِنَازَةِ يَسْتَغْفِرُ لَهَا وَيَجْلِسُ ، أَوْ يَنْصَرِفُ (مُصنف ابن أبى شيبة ، رقم الحديث : ١٢٠٧١ ،من كان لايرى الصلاة عليهااذا دفنت وقدصلى عليها)

ترجمہ:حضرت حسن بصری سے جب کوئی جنازہ رہ جاتا تھا،تو وہ اس کے لئے استغفار کیا کرتے تھے،اور بیٹھ جاتے تھے،یالوٹ جایا کرتے تھے(ابنِ ابی شیبہ)

اورحضرت اشعث سے روایت ہے کہ:

www.idaraghufran.org

كَانَ الْحَسَنُ لاَ يَرَى أَنْ يُصَلِّى عَلَى الْقَبْرِ(مُصنف ابن أبى شيبة ، رقم الحديث : ١٢٠٧٢ ،من كان لايرى الصلاة عليهااذا دفنت وقدصلى عليها)

ترجمہ: حضرت حسن بصری، قبر پرنمازِ جنازہ پڑھنے کے قائل نہیں تھے (ابنِ ابی شیبہ)

حضرت حسن بصری کا شمار جلیل القدر تابعین میں ہوتا ہے۔

ابراہیم نخعی اور حسن بصری کی مذکورہ روایات سے ان حضرات کے قول کی تائید ہوتی ہے، جو ایک مرتبہ نمازِ جنازہ کے بعد دوبارہ نمازِ جنازہ کے قائل نہیں۔

ابنِ عبدالبر نے''الاستذکار''میں زبیر بن ہشام کی مقامِ عقیق، اور مدینہ منورہ دونوں مقامات میں نمازِ جنازہ پڑھنے کی روایت ذکر کی ہے۔ [1]

ہم نے مذکورہ صفحات میں دونوں طرح کی احادیث وروایات اور آثار ذکر کردیئے ہیں، جن سے مختلف فقہائے کرام نے اپنے موقف کے لیے استدلال فرمایا ہے۔

اگرچہ عام حالات میں صرف ایک مرتبہ ہی نمازِ جنازہ پڑھنے کا معمول ثابت ہے، اور امت کا متوارث عمل اسی کے مطابق ہے، لیکن انصاف کی بات یہ ہے کہ متعدد احادیث وروایات، اور آثار سے بعض اوقات ایک مرتبہ نمازِ جنازہ پڑھ چکنے کے بعد، مخصوص عرصہ تک دوبارہ قبر پر نمازِ جنازہ پڑھنے کو جائز قرار دینے والے فقہائے کرام کے قول کی تائید ہوتی ہے۔

اور ابراہیم نخعی اور حسن بصری اگرچہ جلیل القدر تابعی ہیں، لیکن ظاہر ہے کہ اول تو ان کے آثار عدمِ جواز میں صریح نہیں، کیونکہ ایک سے زیادہ مرتبہ نمازِ جنازہ پڑھنا، کوئی فرض، یا واجب عمل نہیں، اس لئے اگر کوئی یہ عمل نہ کرے، اور وہ صرف دعاء واستغفار پر اکتفاء کرلے، تو گناہ گار نہیں، دوسرے مذکورہ حضرات کا مقام ومرتبہ اپنی جگہ، لیکن ان کے اقوال کو مرفوع احادیث اور صحابۂ کرام کے آثار پر ترجیح دیا جانا مشکل ہے۔

---

[1] وذكر الزبير بن بكار قال حدثنا يحيى بن محمد قال توفى الزبير بن هشام بن عروة بالعقيق فى حياة أبيه فصلى عليه بالعقيق وأرسل إليه بالمدينة ليصلى عليه فى البقيع ويدفن فى البقيع(الاستذكار،ج٣،ص٣٥،كتاب الجنائز،باب التكبير على الجنائز)

الزبير بن هشام بن عروة بن الزبير أخو محمد بن هشام يروى عن أبيه وأبوه رأى بن عمر ويروى عن أهل المدينة روى عنه نافع بن يزيد ومن قال الزبير بن عروة فقد نسبه إلى جده(الثقات،لابن حبان،ج٦،ص٣٣١)

www.idaraghufran.org

پس ہمارے نزدیک راجح یہی ہے کہ نمازِ جنازہ کا اصل سنت ومتوارث طریقہ ایک ہی مرتبہ نمازِ جنازہ پڑھنے کا ہے،اوراگرکوئی اتفاق، یاکسی خاص سبب سے دوبارہ نمازِ جنازہ پڑھے،تو یہ ضروری نہیں،لیکن اس سے ناجائز ہونا لازم نہیں آتا،اورگناہ وبدعت قرار دینا اس لیے راجح معلوم نہیں ہوتا کہ یہ عمل کئی صحابۂ کرام،تابعینِ عظام اورمحدثین ومجتہدین سے ثابت ہے،جس پر بدعتِ شرعی کی تعریف صادق نہیں آتی۔

تاہم جو حضرات دوسری مرتبہ،یا قبر پر نمازِ جنازہ کو جائز قرار دیتے ہیں،وہ مخصوص عرصہ بعد ہی جواز کے قائل ہیں،جیسا کہ آگے آتا ہے۔[1] (جاری ہے......)

[1] وفيه :جواز الصلاة على القبر، وهي مسألة خلافية جوزها طائفة، منهم :على وأبو موسى وابن عمر وابن مسعود وعائشة رضى اتعالى عنهم، وهو قول الأوزاعي والشافعي وأحمد وإسحاق .ومنعه :النخعي والحسن البصرى والثورى .وهو قول أبي حنيفة والليث ومالک، ومنهم من قال :إنما يجوز إذا لم يصل الولي والوالي، ثم اختلف من قال بالجواز إلى كم يجوز؟ فقيل :إلى شهر، وقيل :ما لم يبل جسده، وقيل: أبدا(عمدة القارى شرح صحيح البخارى، ج۴،ص ۲۳۱،كتاب الصلاة،باب كنس المسجد والتقاط الخرق والقذى والعيدان منه)

www.idaraghufran.org

عبرت کدہ حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام: قسط84 مولانا طارق محمود

﴿اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَعِبۡرَۃً لِّاُولِی الۡاَبۡصَارِ﴾

عبرت وبصیرت آمیز حیران کن کائناتی تاریخی اور شخصی حقائق

”بچھڑا پرستی“ کی سزا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اللہ تعالیٰ سے مندرجہ ذیل دعاء مانگی کہ:

قَالَ رَبِّ اغۡفِرۡ لِیۡ وَلِاَخِیۡ وَاَدۡخِلۡنَا فِیۡ رَحۡمَتِکَ وَاَنۡتَ اَرۡحَمُ الرّٰحِمِیۡنَ

(سورة الاعراف، رقم الآية ۱۵۰)

یعنی” کہا(موسیٰ نے)اے میرے رب!تو بخش دے مجھے اور میرے بھائی کو اور داخل فرما ہمیں اپنی رحمت میں،اور تو زیادہ رحم کرنے والا ہے رحم کرنے والوں میں سے“۔

اس دعاء کے دوسرے جملے سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام شاید اپنی ساری قوم کے لیے رحمت کی دعا مانگ رہے ہیں،تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ بنی اسرائیل نے جو جرم کیا ہے،وہ ایسا معمولی نہیں کہ انھیں سزا دیئے بغیر معاف کر دیا جائے،انھیں اس پر سزا بھی ملے گی، اور ساتھ ہی وہ اللہ کے غضب کے بھی مستحق ہوں گے۔

اوران کو اللہ کے غضب کا شکار ہونے کے ساتھ ساتھ یہ سزا بھی ملے گی کہ وہ دنیا کی زندگی میں ذلیل ہو جائیں گے،یعنی دنیا میں انھیں حقیقی عزت وعظمت اس وقت تک حاصل نہیں ہوگی، جب تک اس طرح کے جرائم سے مکمل طور پر اپنی زندگی کو پاک نہیں کر لیتے،لیکن اب جب کہ انھوں نے اتنے بڑے جرم کا ارتکاب کر لیا ہے،تو کم از کم ارتکاب کرنے والے دوسروں کی نگاہوں میں بری طرح ذلیل ہو کر رہ جائیں۔

چنانچہ پوری قوم کے سامنے ان کو قتل کیا جانا،اوران کے معبود(بچھڑے)کو جلایا جانا،ایک ایسی ذلت کا اظہار ہے،جس سے بڑھ کر ذلت کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

جیسا کہ آگے آئے گا کہ ان بنی اسرائیل کو جنہوں نے بچھڑا پرستی کی،اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیسی

ذلت آمیز سزا دی گئی۔ ؎١

اور اس کے ساتھ ساتھ اس انتہائی بغاوت سے توبہ کر لینے کے بعد، اللہ کی رحمت کا یہ اصول بھی بتلا دیا کہ اس توبہ میں ایمان کی صفت بھی ہونی چاہئے، کیونکہ اتنے بڑے جرم کا ارتکاب کرنے والوں کی توبہ صرف یہ نہیں کہ وہ اللہ سے اپنے گناہ کی معافی مانگیں، بلکہ انہوں نے جو حرکت کی، اس حرکت سے ایمان جاتا رہا، اس لیے ان لوگوں کی توبہ صرف اسی صورت میں قبول ہوگی، جب یہ تجدیدِ ایمان بھی کرلیں گے۔ ؎٢

سورہ اعراف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ. وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (سورۃ الاعراف، رقم الآیات ۱۵۲، ۱۵۳)

یعنی ”(اللہ نے فرمایا) جن لوگوں نے بچھڑے کو معبود بنایا ہے، ان پر جلد ہی ان کے رب کا غضب اور دنیوی زندگی ہی میں ذلت آپڑے گی۔ جو لوگ افترا پردازی کرتے ہیں ان کو ہم اسی طرح سزا دیتے ہیں۔ اور جو لوگ برے کام کرگزریں، پھر ان کے بعد توبہ کرلیں اور ایمان لے آئیں تو تمہارا رب اس توبہ کے بعد (ان کے لیے) بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے“۔

؎١ أما الغضب الذى نال بنى إسرائيل فى عبادة العجل فهو أن الله تعالى: لم يقبل لهم توبة حتى قتل بعضهم بعضا، كما تقدم فى سورة البقرة فتوبوا إلى بارئكم فاقتلوا أنفسكم ذلكم خير لكم عند بارئكم فتاب عليكم إنه هو التواب الرحيم ،وأما الذلة فأعقبهم ذلك ذلا وصغارا فى الحياة الدنيا(تفسير ابنِ كثير ج۳ص ۴۲۹، سورة الاعراف)

؎٢ ثم نبه تعالى عباده وأرشدهم إلى أنه يقبل توبة عباده من أى ذنب كان حتى ولو كان من كفر أو شرك أو نفاق أو شقاق، ولهذا عقب هذه القصة بقوله والذين عملوا السيئات ثم تابوا من بعدها وآمنوا إن ربك أى: يا محمد يا رسول التوبة ونبى الرحمة من بعدها أى من بعد تلك الفعلة لغفور رحيم(تفسير ابنِ كثير ج۳ص ۴۲۹، سورة الاعراف)

والذين عملوا السيئات ثم تابوا من بعدها وآمنوا يعنى الذين عبدوا العجل من قوم موسى ثم تابوا وأمنوا وقتلوا أنفسهم ابتغاء مرضاة الله إن ربك من بعدها اى بعد التوبة لغفور رحيم وان كان الذنوب عظيمة متكثرة ان مع اسمها وخبرها خبر للموصول(التفسير المظهرى، ج۳ص ۴۱۳، سورة الأعراف)

www.idaraghufran.org

طب وصحت حکیم مفتی محمد ناصر

ایلوویرا (Aloe Vera) اور "ثُفَّاءُ" (Garden Cress) کی افادیت

ایک حدیث میں ہے کہ "صَبِرُ" یعنی ایلوویرا (Aloe Vera) چہرے کو جوان کردیتا ہے۔[1] مگراس روایت کی سند کو اہلِ علم حضرات نے ضعیف قرار دیا ہے۔[2]

البتہ "صَبِرُ" یعنی ایلوویرا (Aloe Vera) کا چہرے کی خوبصورتی کے لئے مفید ہونا، طبی اعتبار سے تسلیم شدہ ہے، اور چہرے کی خوبصورتی کے لئے "صَبِرُ" یعنی ایلوویرا (Aloe Vera) کا کریموں اور لوشنوں کی شکل میں استعمال ہمارے معاشرے میں رائج ہے۔

حضرت قیس بن رافع اشجعی سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَاذَا فِي الْأَمَرَّيْنِ مِنَ الشِّفَاءِ الصَّبِرِ وَالثُّفَّاءِ (السنن الكبرىٰ للبيهقي، رقم الحديث ١٩٥٧٨، الطب النبوى لابى نعيم الاصفهانى، رقم الحديث ٦٢٩، ج٢، ص ٥٩٥، فصول فى المقالة الرابعة فى معرفة العقاقير ومنافعها، مادة صبر، الناشر: دار ابن حزم، تهذيب الكمال، ج٦، ص ٦٩، تحت رقم الترجمة١٢٠٨، حسن بن ثوبان)

---

[1] حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ، حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي مَخْرَمَةُ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: سَمِعْتُ الْمُغِيرَةَ بْنَ الضَّحَّاكِ، يَقُولُ: أَخْبَرَتْنِي أُمُّ حَكِيمٍ بِنْتُ أَسِيدٍ، عَنْ أُمِّهَا، أَنَّ زَوْجَهَا، تُوُفِّيَ وَكَانَتْ تَشْتَكِي عَيْنَيْهَا فَتَكْتَحِلُ بِالْجِلَاءِ، – قَالَ أَحْمَدُ: الصَّوَابُ بِكُحْلِ الْجِلَاءِ – فَأَرْسَلَتْ مَوْلَاةً لَهَا إِلَى أُمِّ سَلَمَةَ، فَسَأَلَتْهَا عَنْ كُحْلِ الْجِلَاءِ؟، فَقَالَتْ: لَا تَكْتَحِلِي بِهِ إِلَّا مِنْ أَمْرٍ لَا بُدَّ مِنْهُ يَشْتَدُّ عَلَيْكِ، فَتَكْتَحِلِينَ بِاللَّيْلِ، وَتَمْسَحِينَهُ بِالنَّهَارِ، ثُمَّ قَالَتْ عِنْدَ ذَلِكَ أُمُّ سَلَمَةَ: دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ تُوُفِّيَ أَبُو سَلَمَةَ، وَقَدْ جَعَلْتُ عَلَى عَيْنِي صَبْرًا، فَقَالَ: مَا هَذَا يَا أُمَّ سَلَمَةَ؟ فَقُلْتُ: إِنَّمَا هُوَ صَبْرٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ، لَيْسَ فِيهِ طِيبٌ، قَالَ: إِنَّهُ يَشُبُّ الْوَجْهَ فَلَا تَجْعَلِيهِ إِلَّا بِاللَّيْلِ، وَتَنْزَعِينَهُ بِالنَّهَارِ، وَلَا تَمْتَشِطِي بِالطِّيبِ وَلَا بِالْحِنَّاءِ، فَإِنَّهُ خِضَابٌ، قَالَتْ: قُلْتُ: بِأَيِّ شَيْءٍ أَمْتَشِطُ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: بِالسِّدْرِ تُغَلِّفِينَ بِهِ رَأْسَكِ (ابوداوٗد، رقم الحديث ٢٣٠٥، السنن الكبرىٰ للنسائى، رقم الحديث ٥٧٠٠، الطب النبوى لابى نعيم الاصفهانى، رقم الحديث ٣١٤)

[2] قال شعيب الارنؤوط: إسناده ضعيف، لجهالة المغيرة بن الضَّحَّاك وأم حكيم بنتُ أَسِيد وأمها. ابن وهب: هو عبد الله القرشي، ومَخْرمة: هو ابن بكير المخزومي (حاشية ابى داوٗد، تحت رقم الحديث ٢٣٠٥)

www.idaraghufran.org

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو کڑوی چیزوں میں کتنی شفاء ہے، ’’صَبِرُ‘‘ اور ’’ثُفَّاءُ‘‘ میں (بیہقی، ابونعیم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو کڑوی چیزوں میں کتنی شفاء ہے، ایلوے اور ثفاء میں (بیہقی، ابونعیم)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَن النبی صَلَّی الله عَلَیْهِ وَسلَّم قال: علیکم بالثفاء فإن الله جعل فیه شفاء من کل داء (الطب النبوی لابی نعیم الاصفهانی، رقم الحدیث ۶۴۰، ج ۲، ص ۶۰۳، فصول فی المقالة الرابعة فی معرفة العقاقیر ومنافعها، مادة الثفاء)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ’’ثُفَّاءُ‘‘ کو لازم رکھو، اس لئے کہ اللہ نے اس میں ہر بیماری کی شفاء رکھی ہے (ابونعیم) [2]

مذکورہ سطور میں ’’صَبِرُ‘‘ یعنی ایلوویرا (Aloe Vera) اور حب الرشاد یا ہالوں (Garden Cress) سے متعلق احادیث میں وارد تفصیل کا بیان تھا۔

ذیل میں پہلے ’’صَبِرُ‘‘ یعنی ایلوویرا کی طبی افادیت کا مختصراً ذکر کیا جاتا ہے۔

’’صَبِرُ‘‘ یعنی ایلوویرا کے پودے تقریباً ہر ملک میں ہی پائے جاتے ہیں، اس کی جڑ کے قریب شگاف دیا جائے، تو اس میں سے رطوبت نکلتی ہے، یہ رطوبت تازہ یعنی مائع حالت میں بھی استعمال کی جاتی ہے، اور خشک ہونے کے بعد ٹھوس ہو کر یہ سیاہ رنگ کی ڈلیوں کی شکل اختیار کر لیتی ہے، جو شیشے کی طرح چمکتی ہیں، یہ اس کے اصلی ہونے کی علامت ہے، اور اگر ان ڈلیوں میں چمک نہ ہو، تو یہ نقل یا غیر خالص یا ملاوٹ شدہ یا باسی ہونے کی علامت ہے۔ (جاری ہے......)

[1] مذکورہ حدیث کو بعض اہلِ علم نے ضعیف قرار دیا ہے، اور اس کی وجہ اس حدیث کے ایک راوی قیس بن رافع اشجعی کا ارسال قرار دیا ہے، اور قیس بن رافع کے تابعی یا صحابی ہونے کا قول بھی نقل کیا ہے، اور قیس بن رافع کے تابعی ہونے کے احتمال پر اس حدیث کو مرسلِ تابعی قرار دے کر، اس حدیث پر ضعیف ہونے کا حکم لگایا ہے (سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ، تحت رقم الحدیث ۴۴۴۲) مگر امام مزی اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہما اللہ نے قیس بن رافع اشجعی کو صحابہ میں شمار کیا ہے، جس کی وجہ سے مذکورہ حدیث پر ضعیف ہونے کے حکم کا راجح ہونا معلوم نہیں ہوتا (ملاحظہ ہو: تہذیب الکمال فی اسماء الرجال للمزی، ج ۲۴، ص ۲۴، تحت رقم ۴۹۰۱)

[2] قال الالبانی: ضعیف (ضعیف الجامع الصغیر وزیادته، تحت رقم الحدیث ۳۷۵۷)
اس روایت کو بعض اہلِ علم نے ضعیف قرار دیا ہے، مگر طبی اعتبار سے ’’ثُفَّاءُ‘‘ یعنی حب الرشاد کی افادیت ثابت ہے۔

www.idaraghufran.org

اخبارِ ادارہ

مفتی محمد ناصر

ادارہ کے شب وروز

☐...... 29ربیع الآخر، اور 7/14/21/ جمادی الاولیٰ 1444ھ بروز جمعہ متعلقہ مساجد میں وعظ ومسائل کے سلسلے حسبِ معمول ہوئے۔

☐...... 24ربیع الآخراور2/9/16/23جمادی الاولیٰ 1444ھ، بروز اتوار مدیر صاحب کی اصلاحی مجالس صبح تقریباً ساڑھے دس بجے ادارہ غفران میں منعقد ہوتی رہیں۔

☐...... 13جمادی الاولیٰ، بروز جمعرات، پیر اقبال قریشی صاحب کے یہاں مسجد شیبی، خانقاہ قریشیہ، مورگاہ، راولپنڈی میں بعد نمازِ عشاء مفتی صاحب مدیر کا تعویذ وعملیات کے موضوع پر بیان ہوا۔

☐...... 20جمادی الاولیٰ، بروز جمعرات، مولانا اقبال غزنوی صاحب، روات میں قائم ادارہ کی شاخ میں مفتی صاحب مدیر سے ملاقات کے لئے تشریف لائے۔